23

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

14 تا 20 جون 2007ء / 28 جمادی الاوّل تا 5 جمادی الثانی 1428

www.tanzeem.org

اس شمارے میں

جرنیلی بجٹ

اسلامی سزائیں عادلانہ ہیں

ایم کیو ایم کے وابستگان کی خدمت میں

مصطفیٰ کمال پاشا کی تجدّد پسندی

پاکستان میں حقوق سے محروم طبقہ

اقتدار کی ڈوبتی کشتی......

پاکستان میں تبدیلی کا ایجنڈا

تفہیم المسائل

دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

عالم اسلام

کردار کا بحران

ہماری قومی زندگی کے مختلف اہم اور قابل ذکر طبقات کا کردار ایسا ہے جو قوم کے لیے دشمن کے حملوں سے ہزار گنا زیادہ سنگین ہے، اس لیے کہ دشمن کے حملے کا مقابلہ تو ہوسکتا ہے، لیکن جب قوم کے اہم طبقات کردار و عمل کے ہولناک بحران میں مبتلا ہو جائیں، حُبِّ جاں، حُبِّ مال، عیش و عشرت، سستی، غفلت، علم اور عمل دشمنی جیسی بڑی بُرائیاں مزاجوں میں راسخ ہو جائیں تو مزاجوں کا بدلنا از حد دشوار ہو جاتا ہے۔

یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ معاشرہ کی بگڑتی ہوئی اس صورتحال کا جب تجزیہ کیا جاتا ہے تو عام طور پر اس کا ذمہ دار یا تو امریکہ کو گردانا جاتا ہے یا بین الاقوامی مالیاتی اداروں کو، لیکن اس سلسلہ میں اپنے کردار کو فراموش کر دیا جاتا ہے۔ آخر امریکہ یا بین الاقوامی اداروں کو ہمارے معاملات میں مداخلت کرنے اور حالات سے فائدہ اٹھانے کا موقع کس نے فراہم کیا؟ ہمارے کردار کی کمزوری، حرص و ہوا کے جذبات، دولت پرستی اور پاکیزہ قومی و ملی احساسات سے محرومی نے ہی تو ہمیں معاشی، اقتصادی اور سیاسی طور پر امریکہ اور مالیاتی اداروں کا محتاج بنایا ہے۔ دنیا کی محبت اور کردار کے بحران نے آج ہمیں یہ دن دکھایا ہے کہ ہم بظاہر آزاد ہوتے ہوئے بھی عملاً آزاد نہیں ہیں۔ ہماری سیاست اور کرسیٔ اقتدار کے سارے فیصلے باہر طے ہوتے ہیں اور نافذ ہو جاتے ہیں۔ ہمارا بجٹ باہر سے طے ہو کر آتا ہے۔ ہماری صنعت اور تجارت کے لیے پالیسیاں باہر سے منظور ہو کر آتی ہیں۔ ہماری تعلیمی پالیسی امریکہ اور مالیاتی ادارے بناتے ہیں۔ ہماری خارجہ پالیسی ان کی طے کردہ ہوتی ہے۔ ہمارا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ دی ہوئی لائنوں کے مطابق نقشہ کار بنائیں۔

مختلف اہم قومی طبقات کے کردار کے بحران کے اتنے ہولناک نتائج سامنے آنے کے باوجود اگر ہمارے ہاں اصلاح احوال کے لیے ہمہ جہتی اور ہمہ گیر تحریک برپا نہ ہوئی تو نہیں کہا جا سکتا کہ ہم غلامی اور زوال کی مزید کس خطرناک صورتحال سے دوچار ہوں گے۔

معاشرہ، جدیدیت اور اسلام

محمد موسیٰ بھٹو

الھدیٰ (282)

سورۃ المائدہ

(آیات:112تا115)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحیم

﴿ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١١٢﴾ قَالُوْا
نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿١١٣﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا
مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿١١٤﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ
بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١١٥﴾ ﴾

’’(وہ قصہ بھی یاد کرو) جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰؑ بن مریمؑ ! کیا تمہارا پروردگار ایسا کرسکتا ہے کہ ہم پرآسمان سے (طعام کا) خوان نازل کرے؟ اُنہوں نے کہا کہ اگر ایمان رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو۔ وہ بولے کہ ہماری یہ خواہش ہے کہ ہم اُس میں سے کھائیں اور ہمارے دل تسلی پائیں، اور ہم جان لیں کہ تم نے ہم سے سچ کہا ہے اور ہم اس (خوان کے نزول) پر گواہ رہیں۔ (تب) عیسیٰؑ بن مریم نے دُعا کی کہ اے ہمارے پروردگار! ہم پرآسمان سے خوان نازل فرما کہ ہمارے لئے (وہ دن) عید قرار پائے یعنی ہمارے اگلوں اور پچھلوں (سب) کے لئے۔ اور وہ تیری طرف سے نشانی ہو اور ہمیں رزق دے، اور تُو بہتر رزق دینے والا ہے۔ اللہ نے فرمایا: میں تم پر ضرور خوان نازل فرماؤں گا۔ لیکن جو اس کے بعد تم میں سے کفر کرے گا اُسے ایسا عذاب دوں گا کہ اہل عالم میں کسی کو ایسا عذاب نہ دُوں گا۔‘‘

اور یاد کرو اس واقعے کو بھی جب حواریوں نے یہ کہا، اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا آپ کے رب کو یہ قدرت حاصل ہے کہ ہم پرآسمان سے ایک دسترخوان اتر آئے۔ اس پر عیسیٰؑ نے کہا: اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اگر تم ایمان والے ہو، یعنی تمہیں ایسے مطالبات نہیں کرنے چاہئیں۔ انہوں نے کہا ہم چاہتے ہیں کہ آسمان سے ایک خوان اترے اور اُس میں ہمارے لئے غذا ہو اور ہم اُس میں سے کھائیں، اور ہمارے دل بالکل مطمئن ہو جائیں، (یہ ایسی ہی بات ہے جو کہ ابراہیمؑ نے کہی تھی: رب ارنی کیف تحی الموتی) اور ہم پوری طرح جان لیں کہ جو باتیں آپ نے ہم سے کہی ہیں وہ سچی ہیں، ان میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں، اور ہم ان تمام باتوں پر پورے پورے گواہ بن جائیں۔ ہمیں وہ یقین کامل حاصل ہو جائے کہ پھر جب آپ کی جانب سے ہم تبلیغ کریں تو ہمارے اپنے دل میں کہیں شک وشبہ کا کوئی کانٹا چھپا ہوا نہ رہ جائے۔

حواریوں کے سوال پر عیسیٰ بن مریمؑ نے اس طرح دعا کی اے اللہ ہمارے رب! ہم پرآسمان سے ایک کھانوں کا خوان اتار دے، وہ ہمارے لئے عید بن جائے گا، ہمارے پہلوں کے لئے بھی، پچھلوں کے لئے بھی جشن ہوگا۔ اور تیری طرف سے یہ ایک نشانی ہوگی، اور ہمیں رزق عطا فرما۔ یقیناً تو بہتر رزق دینے والا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے جواباً ارشاد فرمایا: میں وہ خوان تمہارے اوپر نازل کر دوں گا، لیکن (یادرکھو) پھر اس کے بعد جو کوئی کفر کی روش اختیار کرے گا تو میں اُس کو وہ عذاب دوں گا جو تمام جہانوں سے میں کسی اور کو نہیں دوں گا۔ یعنی اگر کسی قوم کو اس طرح کی خرق عادت کوئی چیز، کھلا معجزہ دکھا دیا جائے تو پھر اُس کے لئے کسی قسم کی کوئی رعایت باقی نہیں رہتی۔ گزشتہ اقوام کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہوا۔ جب انہوں نے طلب معجزہ کیا اور معجزہ دکھائے جانے کے باجود وہ ایمان نہ لائیں، تو وہ عذاب کا نشانہ بن گئیں۔ قوم ثمود نے حضرت صالحؑ سے مطالبہ کیا کہ اس چٹان سے ایک گابھن اونٹنی برآمد ہو۔ وہ اونٹنی برآمد ہوگئی مگر مطالبہ کرنے والے ضد پر اڑے رہے اور ایمان نہ لائے۔ چنانچہ انہیں چند دن کی مہلت دی گئی اور بعدازاں اُن پر اللہ کا عذاب آ گیا۔ سورۃ الشعراء میں اس بات کی تفصیل آئے گی کہ جب کفار مکہ آپؐ سے نشانیاں مانگ رہے تھے اور اللہ تعالیٰ وہ نشانیاں نہیں دکھا رہا تھا، تو یہ ان کی خیر خواہی تھی۔ گویا منہ مانگا معجزہ نہ دکھانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں پر احسان تھا۔ کیونکہ جس قسم کی نشانیاں وہ مانگ رہے تھے اگر دکھا دی جاتیں تو اُن کی مہلت بھی اُسی وقت ختم ہو جاتی، انہیں مزید رعایت نہ ملتی اور وہ عذاب الٰہی کا نشانہ بن جاتے۔ تاریخ شاہد ہے کہ بعدازاں اُن میں سے بعض لوگوں کو ایمان کی توفیق بھی مل گئی۔ بہرحال منہ مانگے معجزے دیکھ کر پہلے بھی کوئی ایمان نہیں لایا اور نہ ہی یہ لائیں گے۔ جیسے قوم ثمود نے اپنی نگاہوں کے سامنے اونٹنی کا معجزہ دیکھا مگر ایمان نہ لائے۔

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے آئینہ ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

((اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰةُ الْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنُ اَخُو الْمُؤْمِنِ يَكُفُّ عَنْهُ ضَيْعَتَهٗ وَيَحُوْطُهٗ مِنْ وَرَائِهٖ)) (رواہ ابوداؤد والترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’ایک مومن دوسرے مومن کے لئے آئینہ ہے، اور ایک مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے، اس کے ضرر کو اس سے رفع کرتا ہے اور اس کے پیچھے سے اس کی پاسبانی ونگرانی کرتا ہے۔‘‘

تشریح : مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی، ہمدرد اور خیر خواہ ہوتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ اُس کے بھائی کی دوسروں کے سامنے رسوائی ہو۔ لہٰذا وہ آئینے کی مثل اُس کو اُس کی خامیوں سے آگاہ کرتا ہے۔ جو دیکھتا ہے وہی کہتا ہے۔ اُس کی خامیاں دوسروں کو نہیں بتاتا، بلکہ اُسے اصلاح کا موقع فراہم کرتا ہے۔

"تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر"

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 16 — 14 تا 20 جون 2007ء — 28 جمادی الاوّل تا 5 جمادی الثانی 1428ھ — شمارہ 23

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت

سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' **طابع**: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور-54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور-54700
فون: 5869501-03

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 250 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا------------------- (2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جرنیلی بجٹ

ماہِ جون بجٹ کا مہینہ ہوتا ہے۔ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا میں اس پر مثبت اور منفی تبصرے روایات کا حصہ ہیں۔ امسال بجٹ پاکستان کے پہلے فوجی حکمران کے پوتے عمر ایوب نے پاکستان کے موجودہ فوجی حکمران کی حکومت کی طرف سے پیش کیا۔ ہم نے بھی اس ارادے سے بجٹ سنا اور پڑھا کہ قارئین کی خدمت میں اپنا نقطہ نظر پیش کر سکیں، کیونکہ یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ اگرچہ سچی بات یہ ہے کہ ہم گزشتہ چند سالوں سے محسوس کر رہے تھے کہ ہمارے ہاں بجٹ تقریر الف لیلیٰ کا قصہ محسوس ہوتی ہے۔ بجٹ کیا ہے؟ آئندہ سال کا مالیاتی میزانیہ، حساب کم و بیش۔ ملک کو ٹیکسوں کے نظام یا دوسرے ذرائع کے مد میں اتنی رقم وصول ہوگی۔ اتنے اخراجات ہیں جو صحت' تعلیم' دفاع وغیرہ کی مد میں صرف ہوں گے۔ یوں یہ اتنے نفع کا بجٹ ہے اور شہریوں کی بھلائی اور بہتری کے لیے خرچ ہوگا یا یہ نقصان کا بجٹ ہے اور فلاں فلاں ٹیکس لگا کر ریاست کا نقصان پورا کیا جائے گا۔ ہمارے خوبرو نوجوان اور پڑھے لکھے مشیر برائے امور خزانہ جناب عمر ایوب جب بجٹ تقریر کر رہے تھے تو ہم بالکل ہی بھول گئے کہ ہم پاکستان میں بیٹھے ہیں۔ ترقی اور خوشحالی کی ایسی دلاویز کہانی جو ہم نے زبان دانتوں تلے دبا کر سنی، یعنی میری دنیا "سنور" رہی تھی اور میں خاموش تھا۔ عمر ایوب نے موجودہ حکومت کی کاوش سے مالیاتی ترقی اور قومی خوشحالی کا ذکر کرتے ہوئے ماضی کی حکومتوں کو خوب رگیدا، حالانکہ ان کو اچھی طرح معلوم ہوگا کہ ان کے والدِ محترم جو ماضی کی حکومتوں کا حصہ رہے ہیں، اپنے لختِ جگر کی دل موہ لینے والی تقریر کو بغور سماعت فرما رہے ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ جاگیردارانہ جمہوریت کے نشوونما پانے سے ہمارے ہاں سیاست اور حکومت چند خاندانوں کی جاگیر بن چکی ہے۔ یہ جاگیردار سویلین بھی ہیں اور فوجی بھی۔ عمر ایوب جب ہمسایہ ممالک میں مہنگائی کا ذکر کر رہے تھے تو ہمیں وہ لطیفہ یاد آ رہا تھا، کہتے ہیں ایک عورت کا نالائق بیٹا سکول رزلٹ سننے کے لیے گیا۔ واپس آیا تو ماں دروازے میں دعائیں مانگتی منتظر کھڑی تھی۔ بیٹے نے آتے ہی کہا، اماں اماں! حمید فیل ہوگیا ہے۔ ماں نے پوچھا تمہارا کیا بنا۔ اماں اماں رشید فیل ہوگیا ہے۔ بیٹے تمہارا کیا بنا؟ اماں جب اتنے لوگ فیل ہوگئے تھے تو ہم نے کیسے پاس ہونا تھا۔

اب تک قارئین سمجھ گئے ہوں گے کہ ہم بجٹ پر تبصرہ کرنے سے گریزاں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم میں بجٹ پر تبصرہ کرنے کی سکت نہیں، اس لیے کہ اس پر تبصرہ کرنے کے لیے درندہ یا چنگ کا قلب و جگر ڈھونڈ کر لانا ہوگا۔ کیا یہ ستم ظریفی نہیں ہے کہ بھوک اور افلاس سے لاچار انسان خودکشیاں کر رہے ہوں' ایم اے کے ڈگری ہولڈرز ہوٹل میں ویٹرز اور dishwasher کے لیے درخواستیں دے رہے ہوں' نوجوان لڑکے اور لڑکیاں گندگی کے ڈھیروں میں سے خوراک ڈھونڈ رہے ہوں' مریضوں کی اکثریت عطائیوں کے ہاتھوں ہلاک ہو رہی ہو یا ہسپتالوں کی دہلیز پر دم توڑ رہی ہو' قیامت کی گرمی میں لوڈشیڈنگ انسانی زندگی کو عذاب بنا دے' قتل و غارت عام ہو اور امن و امان غارت ہو چکا ہو' قانون کی بالادستی کا یہ عالم ہو کہ قاضی القضاۃ کو فٹ کانسٹیبل بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ رہا ہو' haves اور have nots میں خلیج ناقابلِ عبور ہو چکی ہو اور قومی اسمبلی کے ٹھنڈے ہال میں وزیرِ خزانہ بتا رہے ہوں کہ معاشی ترقی عروج پر ہے۔ میگا پراجیکٹس کی تکمیل پر جلد ہی دودھ اور شہد کی نہریں بہہ جائیں گی۔

گزشتہ آٹھ سال میں بیرونی قرضہ میں اتنے ارب ڈالر کا اضافہ ہوا اور اندرونی قرضہ میں اتنے کھرب روپے کا اضافہ ہوا۔ البتہ اب شاندار معاشی ترقی کی وجہ سے ہم بھیک مانگنے نہیں جاتے بلکہ دوسروں کو بھیک دیتے ہیں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس معاشی اصول کے تحت بھیک مانگنا بند کرنے سے ہمارے قرضے بڑھ گئے ہیں۔ ہم ماہر معاشیات نہیں ہیں، صرف اتنا جانتے ہیں کہ کسی ملک کی معاشی ترقی کا ناپ کرنے کے لیے عالمی مارکیٹ میں اس کی کرنسی کی قدر دیکھنا ہوگی۔ عوام کی قوتِ خرید کا گراف بھی معاشی ترقی اور تنزلی کی صورتِ حال واضح کرتا ہے۔ سرمایہ کاری اور جاب کی فراوانی بھی ترقی کی نشان دہی کرتی ہے۔ درآمدات اور برآمدات میں تجارتی نفع ہے یا خسارہ، ملک میں کرنسی نوٹوں کی تعداد اور سونے کے ذخائر میں تفاوت زیادہ ہے یا کم، اس کسوٹی پر پرکھ لیں تو نتیجہ سامنے آ جائے گا۔ میٹھی میٹھی تقریروں اور ہندسوں کی جادوگری سے قوم تنگ آ چکی ہے۔ ہم حکمرانوں کو متنبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے اطوار بدلیں' کیونکہ قوم اس قدر تنگ آ چکی ہے کہ کسی وقت تنگ آمد بجنگ آمد کی نوبت آ سکتی ہے۔ اور اگر اس جنگ کو صحیح رہنمائی میسر نہ آ سکی تو ہمارا مقدر تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

رُباعیات

بالِ جبریل

چھتیسویں رباعی

کُھلے جاتے ہیں اسرارِ نہانی!
گیا دَورِ حدیثِ لن ترانی!
ہوئی جس کی خودی پہلے نمودار
وہی مہدی، وہی آخرزمانی!

مہدی: لفظی معنی ہدایت کرنے والا۔

آخرزمانی: آخری زمانے میں آنے والا۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ جب دُنیا فسق وفجور سے بھر جائے گی تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ایک ایسا مہدی بھیجے گا جو باطل کی قوتوں کو مٹا کر رکھ دے گا۔ اسلام کا احیا ہوگا۔ اِس آنے والے کو آخری زمانے کا مجدد سمجھا جاتا ہے۔ اس کو اقبال نے مہدی اور آخرزمانی کے القاب سے یاد کیا ہے۔

اِس رباعی کے مطابق اب وہ دور آ گیا ہے جب کائنات کے تمام راز ہائے سربستہ کھلتے چلے جارہے ہیں۔ اب وہ زمانہ بھی نہیں رہا کہ حضرت موسیٰ کی طرح جواب ملے ''لن ترانی'' یعنی تم ہمارا جلوہ نہیں دیکھ سکتے۔ غالب نے اس مضمون سے ملتا جلتا ایک شعر کہا ہے:

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ تو ہم بھی سیر کریں، کوہِ طُور کی!

چنانچہ بقول اقبال اب تو صورتِ حال اِس حد تک پہنچی ہے کہ جو شخص بھی اوّل اوّل خودی کی معرفت حاصل کرسکا، وہی مہدی آخرالزمان ٹھہرے گا۔ مُراد یہ کہ خودی کے بغیر انسان بلند درجات حاصل نہیں کرسکتا۔

سینتیسویں رباعی

زمانے کی یہ گردش جاودانہ
حقیقت ایک تُو، باقی فسانہ!
کِسی نے دوش دیکھا ہے نہ فردا
فقط امروز ہے تیرا زمانہ!

اقبال کہتے ہیں کہ زمانے کی گردش تو ماضی میں بھی جاری رہی۔ حال میں بھی جاری ہے اور مستقبل میں بھی جاری رہے گی، مگر حقیقت یہی ہے کہ اصل چیز وجودِ انسانی ہے۔ باقی عناصر کو افسانے سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ جو انسان عملی جدوجہد کا قائل ہے وہ گزرے ہوئے زمانے کی تلخیوں کو نظر انداز کردیتا ہے اور مستقبل کی نامعلوم جہتیں بھی اُس کے نزدیک زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں کہ ان کا علم تو شاید کسی کو بھی نہ ہوگا۔ اِس گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ انسان کا حقیقی مقصود تو دورِ حاضر ہے کہ یہ وقت اُس کا اپنا ہے اور اس پر ہی ایک فرد بڑے اعتماد کے ساتھ بات کرسکتا ہے۔

اڑتیسویں رباعی

حکیمی نامسلمانی خودی کی
کلیمی رمزِ پنہانی خودی کی
تجھے گُر فقر و شاہی کا بتادوں
غریبی میں نگہبانی خودی کی!

عقل ودانش اور خودی کے بارے میں علامہ اقبال کے جو تصورات ہیں، وہ اُن کے بیشتر اشعار اور نظموں کے حوالے سے سامنے آ چکے ہیں۔ زیرِ تشریح رباعی بھی ان کے تصورات کی آئینہ دار ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جو انسان حکمت ودانش اور فلسفے کی گتھیوں میں اُلجھا رہتا ہے، اُس کا یہ عمل خودی کی نفی ہے۔ اس لیے کہ حکمت ودانش اور فلسفہ اپنے اپنے انداز میں مسائل کا تجزیہ تو کرتے ہیں، لیکن ان مباحث اور جائزوں میں نہ تو یقین واعتماد ہوتا ہے، نہ ہی عرفان وایمان کا جوہر ہوتا ہے۔

خودی کے اسرار و رموز جاننے کے لیے تو حضرت مُوسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبروں کا کردار پیشِ نظر رکھنا ہوگا کہ جابروں سے مظلوموں کو نجات دلانا خودی ہی کا کارنامہ ہے۔ ایسے ہی کردار میں خودی کے راز مضمر ہوتے ہیں۔

رباعی کے دوسرے شعر میں اقبال ایک اور نکتہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ فقیری اور درویشی میں بھی بادشاہوں جیسی عظمت اور وقار کا حصول اِس صورت میں ممکن ہے کہ انسان اپنی خودی کو حرص اور ہر نوع کی غلاظت سے بچائے رکھے۔ یہی وہ گُر ہیں جن کے ذریعے خودی کا حقیقی نقشہ سامنے آتا ہے۔

اُنتالیسویں رباعی

ترا تن روح سے نا آشنا ہے
عجب کیا آہ تیری نارسا ہے
تنِ بے رُوح سے بیزار ہے حق
خدائے زندہ زندوں کا خدا ہے

اِس رباعی میں بے عمل انسان سے خطاب کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں کہ جس طرح رُوح کے بغیر جسم ایک تودۂ خاک کے مانند ہوتا ہے۔ یہی صورت ایک بے عمل شخص کی ہے، حتیٰ کہ خدائے عزوجل جو رحیم وکریم ہے، وہ بھی ایسے بے عمل اور بے رُوح لوگوں کی دعائیں نہیں سنتا، اس لیے کہ فی الواقع وہ اِس نوع کے افراد سے بے زار رہتا ہے اور وہ چونکہ خود زندہ ہے، لہٰذا وہ چاہتا ہے کہ اُس کے بندے زندہ ہونے کا ثبوت پیش کریں۔ زندہ لوگ وہی ہوتے ہیں، جن کے جسم میں رُوح زندہ ہے اور اپنی بقا کے لیے عملی جدوجہد کے قائل ہیں۔ روح کی زندگی ہی حقیقت میں اصل زندگی ہے۔

اسلامی سزائیں عادلانہ ہیں!

سیکولر حضرات کہتے ہیں کہ اسلامی سزائیں چودہ سو سال پہلے کے دور کے لئے تھیں۔ زمانہ بدل گیا ہے، اب انہیں نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ انداز فکر فکری کج روی اور شریعت سے انحراف ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حدود اللہ اور دین کے دیگر اصول و احکام آج بھی اُسی طرح واجب التعمیل ہیں، جیسے چودہ سو برس پہلے تھے۔ موجودہ دور میں شریعت اسلامی اور حدود اللہ کے کامیاب عملی نفاذ سے طالبان نے اس حقیقت کا عملی ثبوت فراہم کیا ہے

مسجد دار السلام' باغ جناح' لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کے 8 جون 2007ء کے خطبۂ جمعہ کی تلخیص

[آیات قرآنی کی تلاوت، خطبۂ مسنونہ اور تمہیدی گفتگو کے بعد]

حضرات! گزشتہ جمعہ اسلام کے عدالتی نظام پر گفتگو کی گئی تھی۔ اِس ضمن میں آیات قرآنی کی روشنی میں عدل و قسط کی اہمیت کو واضح کیا گیا۔ آج ہم اِسی مضمون کو آگے بڑھائیں گے (ان شاء اللہ)۔

اسلام کے عدالتی نظام کا ایک اہم حصہ اسلامی سزائیں ہیں۔ انہیں حدود و تعزیرات کہا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں بڑھتی ہوئی لاقانونیت، قتل، چوری اور ڈکیتی کی وارداتوں اور دیگر جرائم کا خاتمہ اسلامی سزاؤں کے نفاذ ہی سے ممکن ہے۔ اگر ہم فی الواقع عدالتی نظام کو منصفانہ، اور اِس کے ذریعے انصاف کی فراہمی کو یقینی بنانا چاہتے ہیں، تو پھر اِس کے سوا ہمارے پاس اور کوئی چارہ کار نہیں کہ ہم حدود اللہ کو نافذ کریں۔ بدقسمتی سے وطن عزیز پر ایسے لوگ حکمران رہے، اور اب بھی حکمرانی کر رہے ہیں، جو اسلامی سزاؤں کے بارے میں گمراہ کن خیالات رکھتے ہیں۔ یہ لوگ حدود کو ہرگز نافذ نہیں کرنا چاہتے۔ صدر پرویز مشرف نے ایک موقع پر کہا تھا، کیا میں چوری کی سزا (قطع ید) نافذ کر کے اپنی قوم کو ٹُنڈا بنا دوں۔ بے نظیر بھٹو تو یہاں تک کہہ چکی ہے کہ اسلامی سزائیں وحشیانہ ہیں۔ یہ اندازِ فکر فکر کی کجی اور شریعت سے انحراف کا مظہر ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی سزائیں ہرگز وحشیانہ نہیں، بلکہ عادلانہ ہیں۔ انہی کے نفاذ سے عدل و انصاف کی فراہمی اور امن و امان کا قیام ہو سکتا ہے۔

سزاؤں کے بارے میں دنیا میں دو طرح کے تصورات پائے جاتے ہیں۔ ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ مجرموں کو سخت ترین سزا دی جائے، اسی سے عدل و انصاف قائم ہوگا۔ دوسرا تصور یہ ہے کہ مجرم نفسیاتی مریض ہوتا ہے، اُسے سزا نہیں دینی چاہیے، بلکہ اُس کا علاج کیا جانا چاہئے تاکہ وہ جرم سے باز رہے۔ اور اگر بالفرض کبھی سزا دینی بھی پڑے تو یہ سرِعام نہ ہو کہ اِس سے اُس کی عزت نفس مجروح ہوگی، بلکہ یہ کسی کال کوٹھری میں دی جائے۔

سزاؤں کے متعلق اِن دو نقطہ ہائے نظر کے پیچھے دو مختلف فلسفے پائے جاتے ہیں۔ وہ لوگ جو سخت ترین سزا کی بات کرتے ہیں، اُن کے نزدیک قوم کے مفاد کو ترجیح دی جانی چاہیے اور قوم کا مفاد اِسی میں ہے کہ غلط کار کو سخت سزا دی جائے، تاکہ وہ غلط روی سے باز آئے۔ اِس کے مقابلے میں دوسرا گروہ جو سزا کا مخالف ہے، اُس کے نزدیک فرد کا مفاد معاشرے کے مفاد پر مقدم ہے۔

اگر غور کیا جائے تو یہ دونوں نکتہ ہائے نظر دو انتہاؤں پر نظر آتے ہیں۔ ایک فرد کے مفاد کو ترجیح دیتا ہے، اور دوسرا اجتماعیت کو اولیت دیتا ہے۔ اسلام اِن دونوں کے درمیان اعتدال کا راستہ دکھاتا ہے۔ وہ فرد اور جماعت دونوں کے مفادات کا پورا پورا لحاظ رکھتا ہے۔ اُس کی تعلیم یہ ہے کہ فرد کی اصلاح پر بھی پوری توجہ دی جائے، تاکہ وہ جرائم کی طرف مائل ہی نہ ہو اور ایک منظم اصلاحی سکیم کے باوجود اگر وہ جرائم کا ارتکاب کرتا ہے، تو پھر وہ کسی رو رعایت کا حقدار نہیں، اُسے سزا ملنی چاہیے۔ تاکہ اُس کی غلط روی سے معاشرہ تباہی سے دوچار نہ ہونے پائے۔

> **جب تک افراد معاشرہ میں تقویٰ کی صفت پیدا نہ ہو، اُن میں معاملات کی درستگی، حقوق کی ادائیگی اور قانون کے احترام کا سچا جذبہ بیدار نہیں ہو سکتا**

فرد کی اصلاح اور درستگی کے لئے نماز جمعہ کا نظام دیا گیا ہے۔ یہ پبلک ایجوکیشن کا ذریعہ ہے۔ اس کا مدعا قرآن و سنت کی تعلیمات کے ذریعے لوگوں میں خداخوفی، تقویٰ پیدا کرنا ہے۔ انہیں معروفات پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دلانا اور اُن میں منکرات اور برائیوں سے نفرت پیدا کرنا، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا شعور پیدا کرنا، اور قانون کے احترام کا جذبہ بیدار کرنا ہے۔ تاکہ وہ اللہ کی نافرمانی، لوگوں کی حق تلفی اور قانون شکنی کی جانب مائل نہ ہوں، بلکہ صلاح اور خیر کے راستے پر گامزن ہوں۔ معاشرہ کے اجتماعی شعور میں یہ بات آ جائے کہ ہر آدمی یہ سمجھے کہ اُس نے اللہ کی بندگی کرنی ہے، اور ظلم و زیادتی، حق تلفی اور قانون شکنی سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔

امریکہ میں آج جیلوں میں اسلام کو پھیلایا جا رہا ہے۔ اِس کی وجہ اُن کی اسلام سے محبت نہیں، بلکہ یہ جذبہ ہے کہ اسلامی نظریے پر عمل پیرا ہو کر مجرم جرائم سے بچ جائیں گے۔ اور اُن کے ملک میں امن و امان کی صورت حال بہتر ہو سکے گی۔ کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ اسلام کی تبلیغ کے نتیجے میں جو لوگ مشرف بہ اسلام ہو کر جیلوں سے باہر آتے ہیں، اُن میں دوبارہ جرائم کرنے کی شرح بہت کم ہوتی ہے بنسبت دوسرے لوگوں کے۔ انہیں یقین ہو گیا ہے کہ منشیات کے عادی افراد کو اربوں ڈالر خرچ کر کے بھی وہ منشیات چھوڑنے پر آمادہ نہیں کر سکتے، دنیا کی موثر ترین پولیس رکھنے کے باوجود بھی وہ جرائم پر قابو نہیں پا سکتے۔ اِس کے مقابلے میں انہیں دکھائی دیتا ہے کہ جیسے ہی کوئی نوجوان یا بے راہ رو شہری اسلام یا کوئی اور مذہب قبول کر کے اُس کی تعلیمات پر عمل کرنے لگتا ہے تو منشیات کا استعمال بھی ترک کر دیتا ہے، جرائم کی دنیا سے بھی منہ موڑ لیتا ہے اور شراب بھی پینا چھوڑ دیتا ہے۔ گویا ہلدی لگے، نہ پھٹکڑی رنگ بھی چوکھا آئے۔ چنانچہ وہاں یہ خیال پیدا ہو چکا ہے کہ اگر مذہب

سماجی تنظیم کے سلسلے میں مدد دے سکتا ہے، تو اس کی اس حد تک افادیت کو تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس کے فروغ سے ہم قانون کی بالادستی اور امن امان کے قیام کو یقینی بنا سکتے ہیں۔

بہرحال نظام جمعہ کے ذریعے اسلام لوگوں میں نیکی وتقویٰ کی سپرٹ پیدا کرنا، اور اخلاقی قوت کو ترقی دینا چاہتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((بعثت لاتمم حسن الاخلاق)) (موطاامام مالک)

"مجھے اِس لئے بھیجا گیا ہے تاکہ حسن اخلاق کی تکمیل کروں۔"

ہمارے دین میں اخلاق کی بہت اہمیت ہے۔ فرمایا گیا کہ تم میں سے اچھا وہ ہے جس کا اخلاق سب سے زیادہ اچھا ہے۔ اور اخلاق میں محض یہ بات شامل نہیں کہ آدمی دوسروں کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آئے، بلکہ اس کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔ اس میں وہ تمام معاملات آتے ہیں کہ جن کا تعلق بندگان خدا سے ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر امانت داری، ایفائے عہد، ہمدردی، غمگساری، حق گوئی، راست بازی، تعاون وخیر خواہی، لین دین میں شفافیت وغیرہ۔ اگر اسلامی اخلاقیات کی پیروی کی جائے، تو انسان حق تلفی اور ظلم وزیادتی سے بچا رہتا ہے۔ وہ معاشرے کے ایک باشعور فرد کی حیثیت سے قانون کی پاسداری کرتا ہے۔ تقویٰ اور خداخوفی کی صفت اسے گناہوں اور جرائم سے بچاتی ہے۔ کیونکہ جب کسی فرد میں تقویٰ پیدا ہو جائے، تو وہ اِس یقین اور شعور سے بہرہ مند ہوتا ہے کہ میں ہر وقت اللہ کی نگاہوں میں ہوں۔ وہ میرے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ میں کوئی بُرا عمل خواہ کتنا ہی چھپ کر کروں، وہ اُس سے مخفی نہیں ہو سکتا۔ اگر تقویٰ کی یہ صفت پیدا نہ ہو، تو معاملات کی درستگی، حقوق کی ادائیگی اور قانون کے احترام کا سچا جذبہ بیدار نہیں ہو سکتا۔ کچھ عرصے پہلے کی بات ہے کہ نیویارک شہر میں بجلی کے نظام میں خرابی واقع ہوئی۔ لائٹ چلی گئی۔ اب کیا ہوا، قانون پسند اور مہذب کہلانے والے شہری درندگی اور حیوانیت پر اُتر آئے۔ اور انہوں نے وہ جرائم کیئے کہ جن سے انسانیت شرما جائے۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ وہ خداخوفی جس کی تعلیم اسلام دیتا ہے، موجود نہ تھی۔

اسلام اپنی اصلاحی اسکیم کے ساتھ ساتھ ایک ایسا اجتماعی ماحول پیدا کرتا ہے کہ جس میں نیکی کرنا آسان ہو، اور گناہ کے تمام راستے بند ہوں۔ انسان کے جملہ داعیات کی مناسب تسکین ہو۔ اُس کو بنیادی ضروریات زندگی میسر آئیں۔

اگر کوئی شخص جرائم کا ارتکاب کرتا ہے، تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اجتماعی ماحول اور سوسائٹی کے حُسن کو برباد کر دینا چاہتا ہے۔ اُسے معاشرے میں فساد اور فتنہ انگیزی کو عام کرنے کی اجازت نہیں دی جانی چاہیے۔ معاشرے کے مفاد کو ایک فرد کے مفاد کی بھینٹ نہیں چڑھنے دیا جائے۔ ایسے شخص کو اُس کی جرم کی سزا دی جائے، اور یہ سزا بھی سرعام ہو، تاکہ دوسرے لوگ بھی اِس سے عبرت حاصل کریں۔

البتہ کسی شخص کو سزا دینے میں سب سے اہم بات جو بہرصورت پیش نظر رکھنا ضروری ہے، یہ ہے کہ سزا محض شک کی بنیاد پر نہ ہو بلکہ ٹھوس شواہد کی بنیاد پر ہو۔ جب تک پورے طور پر جرم ثابت نہ ہو جائے، ملزم کو سزا نہیں ملنی چاہیے۔ اسلام نے اصول عطا کیا ہے کہ سینکڑوں گناہ گار چھوٹ جائیں، تو کوئی حرج نہیں، مگر ایک بھی بے گناہ کو سزا نہیں ملنی چاہیے، کیونکہ یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ یہ عدل کا خون ہے۔ بہرحال جب جرم ثابت ہو جائے تو مجرم پر اللہ کی حد نافذ کی جائے، اور کوئی نرمی اور رافت اِس معاملے میں آڑے نہ آئے۔ اور یہ سزا ایسے دی جائے کہ لوگ اس کا مشاہدہ کریں۔ سورۂ نور میں جہاں غیر شادی شدہ زانی کی سزا کا حکم آیا ہے، فرمایا:

﴿ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۠ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَاۗىِٕفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾

"بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد

پریس ریلیز

"دنیا کو اسلام کے نظام عدل سے متعارف کرانا امت کی ذمہ داری ہے"

"اسلامی سزاؤں کا بنیادی فلسفہ فرد اور اجتماعیت کے مفادات کے مابین اعتدال قائم کرنا ہے"

حافظ عاکف سعید

جرائم کا خاتمہ صرف اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے قیام ہی سے ممکن ہے۔ کیونکہ اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں میں کامل عدل و انصاف صرف اسلامی نظام ہی فراہم کر سکتا ہے۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد دار السلام باغِ جناح میں خطابِ جمعہ کے دوران کیا۔ انہوں نے کہا کہ اسلامی تعلیم وتربیت کی بنیاد تقویٰ ہے۔ اگر تقویٰ ہے تو ہر شخص دوسرے کے حقوق کا خیال رکھے گا اور اپنے فرائض کی ادائیگی پر توجہ دے گا۔ بصورت دیگر دوسرے کے حقوق پر ڈاکہ ڈالے گا اور معاشرے کا امن وسکون تہ وبالا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ عدالتی نظام کا مقصد یہی ہے کہ جس کے ساتھ زیادتی ہوئی اُسے انصاف دلایا جائے۔ اسلامی سزاؤں کا بنیادی فلسفہ بھی فرد اور اجتماعیت کے مفادات کے مابین اعتدال قائم کرنا ہے۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ اسلام کا نظام عدل اجتماعی خلافت راشدہ میں پوری آب وتاب کے ساتھ نظر آتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر کے خلیفہ کو عدالت میں جواب دہ قرار دیا۔ اسلامی نظام کی یہی برکات ہمیں طالبان کے دور حکومت میں بھی نظر آتی ہیں، جن کا اعتراف دشمن بھی کرتے ہیں۔ آج بھی دنیا جس امن وسکون اور عدل وانصاف کی متلاشی ہے وہ صرف خالق کائنات کے دیے ہوئے نظام کو قائم کرنے ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے غلبہ دین کے مشن کی تکمیل کے لیے امت مسلمہ کو اس دین کا امین بنایا گیا۔ دنیا کو ابلیسی نظام سے نجات دلا کر اسلام کے نظام عدل اجتماعی سے متعارف کرانا اس امت کی ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری کو ادا نہ کرنے کی وجہ ہی سے آج ہم دنیا میں ذلیل ورسوا ہیں۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبۂ نشر واشاعت تنظیم اسلامی)

(جب اُن کی بدکاری ثابت ہو جائے تو) دونوں میں سے ہر ایک کو سو دُرّے مارو۔ اور اگر تم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو شرعِ خدا میں تمہیں اُن پر ہرگز ترس نہ آئے اور چاہیے کہ اُن کی سزا کا وقت مسلمانوں کی ایک جماعت بھی موجود ہو۔"

اِس آیت میں غیر شادی شدہ زانی کی سزا کے حکم دیا گیا، اور اِس ضمن میں دو اہم باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ اگر تمہیں اللہ پر یقین ہے تو اللہ کے احکام و حدود کو جاری کرنے میں کوئی بھی رحم اور رافت کا جذبہ آڑے نہ آئے۔ ایسا نہ ہو کہ مجرم پر ترس کھا کر اُس کو سزا نہ دو، یا سزا میں کمی کرنے لگو۔ خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہے اور وہ تم سے زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ اُس کا کوئی حکم سخت ہو یا نرم، مجموعی طور پر معاشرے کے حق میں حکمت ورحمت سے خالی نہیں ہوتا۔ لہٰذا اُسے نافذ کرو۔ معاشرے کا مفاد اور صلاح اِسی میں مضمر ہے۔

> **طالبان نے جس حد تک اسلام نافذ کیا، اسلامی حدود کو قائم کیا اس کی برکات اور خوشگوار نتائج ظاہر ہوئے، جنہوں نے دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ افغانستان میں جرائم کی شرح نہ ہونے کے برابر رہ گئی، عصمتیں محفوظ ہو گئیں، چوری اور ڈکیتی کا خاتمہ ہو گیا، قتل وغارت کا سلسلہ ختم گیا**

ذرا غور کیجیے، حدود اللہ کے نفاذ کے ضمن میں سیرت النبی میں کا یہ واقعہ کس قدر ایمان افروز ہے، اور قانون کی بالادستی اور اسلامی مساوات کا مظہر ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔" مخزومی عورت کی چوری کرنے سے (اور اُس پر چوری کی حد نافذ کرنے کے معاملے میں) قریش کو فکر پیدا ہوئی۔ انہوں نے کہا: کون ہے جو اس باب میں جناب رسول اللہ ﷺ سے کہے (یعنی سفارش کرے)؟ لوگوں نے کہا: اتنی جرأت تو کسی میں نہیں، البتہ اُسامہؓ جو جناب رسول اللہ ﷺ کا چہیتا ہے، وہ کہے تو کہے۔ (کیونکہ اسامہؓ، زیدؓ کے بیٹے تھے اور زیدؓ جناب رسول اللہ ﷺ کے لے پالک بیٹے تھے) آخر اُسامہؓ نے جناب رسول اللہ ﷺ سے کہا یعنی فاطمہ کی سفارش کی۔ آپؐ نے فرمایا: اے اُسامہؓ کیا تو اللہ تعالیٰ کی حد کے معاملے میں سفارش کرتا ہے؟ پھر آپؐ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا، اور فرمایا: اے لوگو! تم سے پہلے لوگ انہی کرتوتوں سے تباہ ہوئے۔ جب کوئی طاقتور آدمی ان میں چوری کرتا تو اُس کو چھوڑ دیتے اور جب کوئی ناتواں (بے وسیلہ) ایسا کرتا تو اُس پر حد قائم کرتے۔ اللہ کی قسم! اگر فاطمہؓ، محمد ﷺ کی بیٹی بھی چوری کرے تو میں اُس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں گا۔" (رواہ مسلم)

دوسری بات یہ کہ سزا تنہائی میں نہیں ہونی چاہیے، مسلمانوں کے مجمع میں دی جانی چاہیئے، کیونکہ اِس میں دیکھنے والوں کے لئے بھی عبرت پذیری کا سامان موجود ہوتا ہے۔ اگر اُن میں سے کسی کے دل میں بُرائی اور گناہ کا خیال ہوا تو اِس سے وہ رفع ہو جائے گا۔

آج ہمارے معاشرے میں جرائم عام ہیں۔ اخبارات میں آئے روز قتل، ڈاکے، عصمت دری کی خبریں شائع ہوتی ہیں۔ چھوٹی چھوٹی بات پر پورے کے پورے خاندان موت کے گھاٹ اتار دیئے جاتے ہیں۔ اگر کسی علاقے میں ایک شخص نے کسی جاگیردار یا وڈیرے کے خلاف کوئی بات کہہ دی، تو اُس کے غنڈے اُس شخص کے پورے خاندان کو ملیامیٹ کر دیتے ہیں۔ اور پھر اُن کی نعشوں پر بھنگڑے ڈالتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی غریب مضارع کی بیٹی کو اُٹھا لیا جاتا ہے، اوباش درندے اُس کی آبروریزی کرتے ہیں، مگر کوئی نہیں جو انہیں لگام ڈال سکے، اِس درندگی پر کڑی سزا دے۔ انہیں کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ ظلم وانارکی اور درندگی کی انتہا ہے۔ اِس کے خاتمہ کی واحد صورت یہی ہے کہ اسلامی سزائیں نافذ کر دی جائیں۔ ایسے لوگوں کو پکڑ کر سرِعام چوراہوں میں لٹکا دیا جائے۔ جرائم خود بخود ختم ہو جائیں گے۔

سیکولر ذہن رکھنے والے لوگ کہتے ہیں کہ یہ سزائیں چودہ سو سال پہلے کی بات ہے، زمانہ بدل گیا ہے انہیں آج نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ دراصل یہ اُن کی سوچ کی کجی ہے، اور شریعت سے انحراف پر مبنی انداز فکر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی حدود اور اسلام کے اصول و احکام آج بھی اُسی طرح واجب التعمیل ہیں جیسے چودہ سو سال پہلے تھے۔ کیونکہ جیسے پیغمبر اسلام ﷺ کی رسالت قیامت تک کے لئے ہے، اِسی طرح آپ کا لایا ہوا دین اور نظام زندگی بھی تمام زمانوں کے لئے ہے۔ موجودہ دور میں طالبان نے شریعت اور حدود کے کامیاب عملی نفاذ سے اِس حقیقت کا عملی ثبوت فراہم کیا ہے۔ طالبان نے اگرچہ ابھی پورے طور سے اسلامی نظام نافذ نہیں کیا تھا، وہ ابھی اِس جانب پیش قدمی کر رہے تھے، تاہم جس حد تک انہوں نے اسلام نافذ کیا اور اسلامی حدود کو قائم کیا، اس کی برکات اور خوشگوار نتائج ظاہر ہوئے، جنہوں نے دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ افغانستان میں جرائم کی شرح نہ ہونے کے برابر رہ گئی، عصمتیں محفوظ ہو گئیں، چوری اور ڈکیتی کا خاتمہ ہو گیا، قتل و غارت کا سلسلہ ختم گیا اور مکمل امن وامان قائم ہو گیا۔ طالبان دور میں، میں نے افغانستان کا دورہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ جلال آباد کی جیل میں، جو تین صوبوں کی مشترکہ جیل تھی، میں محض تین قیدی موجود تھے۔ ہم نے وہاں رات ایک مدرسے کے باہر کھلے صحن میں بسر کی، جہاں بظاہر چار دیواری کا تحفظ بھی حاصل نہ تھا مگر کسی کو بھی کوئی خوف وخطر نہ تھا، حالانکہ ابھی طالبان کی شمالی اتحاد سے جنگ بھی چل رہی تھی۔ یہ سب دراصل شریعت اور حدود اسلامی کے نفاذ کی برکت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جسٹس جاوید اقبال جیسے لبرل دانشور نے افغانستان کے دورہ کے بعد ایک مقام پر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا: "طالبان نے جو نظام افغانستان میں قائم کیا ہے، اگر یہ نظام دنیا کے دو چار اور ممالک میں قائم ہو گیا تو ساری دنیا مسلمان ہو جائے گی۔"

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں راہ بندگی پر چلنے کی توفیق دے، اور اسلام نظامِ عدل کے قیام اور حدود اسلامی کے نفاذ کی ہمت عطا فرمائے۔ آمین (جاری ہے)

[مرتب: محبوب الحق عاجز]

دعائے صحت کی اپیل

☆ رفیق تنظیم اسلامی نارتھ کراچی سید ربان انجم کے نانا عارضۂ قلب میں مبتلا ہیں، اور ہسپتال میں داخل ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں شفا کاملہ عطا فرمائے قارئین سے بھی دُعائے صحتی کی درخواست ہے۔

دعائے مغفرت کی درخواست

- تنظیم اسلامی حلقہ بہاولنگر کے ملتزم رفیق حافظ محمد لیاقت کے بھائی وفات پا گئے۔ اور اِسی تنظیم کے مبتدی رفیق حارث محمود کی دادی انتقال کر گئیں۔
- ادارہ ندائے خلافت کے کارکن محمد سلیم باری کے ماموں وفات پا گئے۔
- تنظیم اسلامی دیر کے رفیق شریف صاحب کے والد حاجی صابر خان کا انتقال ہو گیا۔
- تنظیم اسلامی باجوڑ جار کے امیر گل رحمٰن کی ہمشیرہ وفات پا گئیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومین اور مرحومات کی مغفرت اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ قارئین اور احباب سے بھی دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

ایم کیو ایم کے وابستگان کی خدمت میں!

محترم ڈاکٹر اسرار احمد

عروس البلاد کراچی 12 مئی کو ایک بار پھر لہو میں نہا گیا۔ اپوزیشن کی تمام جماعتوں نے بالاتفاق اس خونریزی کا ذمہ دار متحدہ قومی موومنٹ (MQM) کو ٹھہرایا ہے۔ اس الزام میں صداقت کا عنصر کہاں تک ہے اس سے قطع نظر، ایک بات تو طے ہے کہ مہاجر قومیت کی بالادستی کے شہر کراچی میں ایم کیو ایم کے دورِ حکومت میں اس طرح کی خونریزی بہت سے سوالات کو جنم دیتی ہے۔

12 مئی کو ہونے والی خونریزی کے حوالے سے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں بہت لکھا اور کہا جا چکا ہے اور یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔ مگر مجھے 12 مئی کے واقعے کے علاوہ دیگر حوالوں سے چند گزارشات متحدہ قومی موومنٹ کے وابستگان کی خدمت میں عرض کرنا ہیں۔ تاہم اِس سے قبل چند باتیں تمہیداً عرض کرنا مناسب خیال کرتا ہوں۔ راقم السطور بقول اقبال ''میں نہ عارف، نہ مجدد، نہ محدث، نہ فقیہہ'' کے مصداق نہ تو معروف اور مروجہ مفہوم کے اعتبار سے سیاستدان ہے اور نہ ہی میری جماعت ''تنظیم اسلامی'' انتخابی کشاکش میں شریک ہے۔ میں نہ تو ماضی میں پاور پالیٹکس کا کھلاڑی رہا ہوں اور نہ ہی مستقبل میں میرا یا میری جماعت کا کوئی ایسا ارادہ ہے۔ بلکہ یہ میدان ہمارے لیے ایک اعتبار سے ''شجر ممنوعہ'' کا درجہ رکھتا ہے۔ مگر یہاں ایک امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ میرے درج بالا موقف سے یہ غلط فہمی بھی ذہنوں میں نہ رہے کہ میں انتخابی سیاست کو ''خلاف دین'' یا ''حرام مطلق'' سمجھتا ہوں۔ ہم انتخابی طریق کار کو مباح سمجھتے ہیں لیکن ہمارا موقف ہے کہ اس طریق سے ملک میں نفاذ اسلام کی چوٹی سر نہیں کی جاسکتی اور 60 سالہ قومی تاریخ ہمارے اس موقف کی صداقت کی گواہ ہے۔ اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ میری گزارشات میں نصح و خیر خواہی اور ہمدردی کا عنصر غالب ہوگا اور اس موقع پر میں کسی لفاظی کا بھی قائل نہیں ہوں بلکہ بات سیدھی اور صاف ہوگی۔ بقول شاعر

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں میری بات

سب سے پہلی گزارش یہ ہے کہ اس وقت دنیا جس عالمی تہذیبی جنگ کا میدان بنی ہوئی ہے، ایم کیو ایم بدقسمتی سے اُس جنگ میں شعوری یا غیر شعوری طور پر اسلامی تہذیب کے دشمنوں کی آلہ کار بنی ہوئی ہے۔ مشہور امریکی مفکر ھنٹنگٹن نے اپنی مشہور کتاب ''Clash of Civilization s'' میں جس تہذیبی کشاکش کی نشاندہی کی ہے اس کا آغاز عالمی سطح پر تو پوری طرح ہو چکا ہے۔ امریکہ اور اس کے حلیف ممالک کی افواج اپنی مادر پدر آزاد اور بے خدا ہی نہیں خلاف خدا تہذیب کو پوری دنیا پر غالب کرنے کے لیے خم ٹھونک کر میدان میں آ چکی ہیں اور مغربی تہذیب کو اگر کسی تہذیب سے خطرہ ہے تو وہ اسلامی تہذیب ہے۔

> اس وقت دنیا جس عالمی تہذیبی جنگ کا میدان بنی ہوئی ہے، ایم کیو ایم بدقسمتی سے اُس جنگ میں شعوری یا غیر شعوری طور پر اسلامی تہذیب کے دشمنوں کی آلۂ کار بنی ہوئی ہے۔ اُس کی جانب سے موجودہ حکومت کی ڈی اسلامائزیشن پالیسیوں کی حمایت نہایت افسوسناک ہے۔

الحذر! آئین پیغمبر سے سو بار الحذر!
حافظ ناموس زن، مرد آزما، مرد آفریں

عالمی سطح پر شروع ہونے والی تہذیبی جنگ کی مختلف جہتیں اور سمتیں ہیں اور ان جہتوں اور سمتوں کے لیے امریکی تھنک ٹینکس نے برس ہا برس عرق ریزی کی ہے۔ ایک جانب اس تہذیبی جنگ کی وہ صورت ہے جو ہم عراق، افغانستان، سوڈان، لبنان، صومالیہ اور دیگر مسلمان ملکوں میں دیکھ رہے ہیں۔ دوسری جانب اسی جنگ کو ایک دوسرے انداز میں مسلمان ملکوں میں شیعہ، سنی فساد کی صورت میں شروع کروایا گیا ہے۔ اور اس کی ایک تیسری صورت مسلمان ملکوں کے معاشروں میں سیکولر اور مذہبی عناصر کا تصادم ہے اور اس نوع کے تصادم کی سب سے بڑی اور نمایاں مثالیں پاکستان اور ترکی ہیں۔

پاکستان میں ایم کیو ایم کی قیادت نے موجودہ حکومت کی ڈی اسلامائزیشن پالیسیوں کی جس طور سے حمایت کی ہے اور جس طرح سے حکومت کے خلافِ اسلام اقدامات کے حوالے سے ریلیاں منعقد کی ہیں وہ انتہائی افسوسناک ہے۔ اور حیران کن امر یہ ہے کہ ترکی اور پاکستان میں اسلام مخالف اقدامات اور سیکولرازم کے حق میں نکلنے والی ریلیاں حجم کے اعتبار سے ہم پلہ ہیں۔ ''حقوق نسواں بل'' کی منظوری پر تمام مکاتب فکر کے جید اور محترم علماء کرام نے بالاتفاق اس بل کو غیر اسلامی قرار دیا اور اس بل کے غیر اسلامی ہونے کی اس سے بڑی دلیل کیا ہوگی کہ اس کی منظوری پر جارج ڈبلیو بش اور ٹونی بلیئر نے حکومت پاکستان کی تحسین فرمائی۔ کراچی اس وقت سیکولر اور دینی تہذیبوں کے علمبرداروں کا گڑھ ہے۔ اگر ایم کیو ایم سیکولر مکتبہ فکر کی ترجمان ہے تو دوسری جانب پٹھان آبادی اور دینی جماعتوں اور دینی مدارس سے وابستہ افراد کی آبادی اسلامی تہذیب کی علمبردار ہے۔ اگر ایم کیو ایم کے وابستگان نے اپنی ریلیوں کو اسی انداز میں منعقد کیا تو دوسرے دھڑے کی ریلیاں اس سے بڑی اور عظیم الشان بھی ہوسکتی ہیں۔ اور کسی بڑے ہنگامے کا پیش خیمہ بھی بن سکتی ہیں خدانخواستہ اس طرح کی صورتِ حال سے پاکستان مخالف عناصر کے گھر میں گھی کے دیئے روشن ہوں گے اور خاکم بدھن امریکی تھنک ٹینکس کی پاکستان کے حصے بخرے کرنے کی آرزوئیں اور امنگیں بر آئیں گی۔

راقم سمیت جملہ محبّ وطن اور محبّ دین عناصر کو اس امر پر حیرانگی ہے کہ پاکستان میں آباد مہاجر قومیت کی نوجوان نسل ''گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی'' کی مصداق کامل کیوں بنی ہوئی ہے۔ ایم کیو ایم کے وابستگان کے آباؤ اجداد کا اُن ہندوستانی علاقوں سے تعلق ہے جو اسلامی تہذیب و تمدن کے امین تھے۔ آج جس نسل نے حقوق نسواں بل کی حمایت میں مظاہرے کیے ہیں ماضی میں ان کے خاندان کی خواتین کے جسم کے کسی حصے پر غیر محرم مرد کے نظر پڑنے کا امکان ہی نہیں تھا۔ اگر خاتون خانہ کو کہیں جانا ہوتا تھا تو تانگہ بان تانگہ گھر کی دہلیز کے عین سامنے کھڑا کرتا۔ گھریلو ملازم چادریں تان کر اطراف میں کھڑے ہو جاتے، اور خاتون کے برقعہ پوش ہونے کے باوجود تانگے کے عقبی طرف اضافی چادر تان دی جاتی تا کہ پردہ میں ملبوس خاتون کو بھی کوئی غیر مرد نہ دیکھ لے۔ مگر آج اسی نسل کے پڑپوتے اور پڑپوتیوں کا طرز عمل افسوسناک ہے۔ حالانکہ سیکولر بھارت کے شہروں حیدر آباد دکن، لکھنؤ، دہلی، میرٹھ، اجمیر شریف اور دیگر مسلمان اکثریت کے

شہروں میں یہ نقشہ آج بھی بآسانی دیکھا جاسکتا ہے۔ لہٰذا میری گذارش ہے کہ سیکولرازم کے ہاتھ مضبوط کر کے اپنی منزل کھوٹی نہ کی جائے، اور حقیقی مقصد کے حصول کے لیے تن من دھن لگایا جائے، جو ہر مسلمان کی دنیوی اور اخروی نجات کے لیے ضروری ہے۔ دوسری گزارش یہ ہے کہ ایم کیو ایم کے وابستگان اُس نسل کے فرزند ہیں جس نے ملک پاکستان کے قیام کے لیے بے پناہ قربانیاں دیں۔ تحریک پاکستان کو کامیابی سے ہمکنار کرانے میں کسی قومی، لسانی یا جغرافیائی عامل کا دخل نہیں تھا بلکہ اس کی کامیابی کا سارا انحصار اسلام کے نعرے پر تھا۔ جس نے ہندوستان کے مختلف علاقوں، مختلف زبانوں اور مختلف علاقائی تہذیبوں و تمدن کے پیروکاروں کو یکجا کر دیا تھا مگر افسوسناک بات ہے کہ آج اُسی نظریے سے انحراف کے نعرے ''روشن خیالی'' کو سب سے زیادہ تقویت شہر کراچی کی مہاجر قومیت سے وابستہ افراد ہی مہیا کر رہے ہیں اور ایک موقع پر ایم کیو ایم کے قائد نے تقسیم ہند اور قیام پاکستان کی مخالفت میں بیان داغ دیا مگر اس بیان پر ایم کیو ایم کے کسی رکن کے ماتھے پر شکن تک نمایاں نہیں ہوئی۔ یہ طرزِ عمل نظریہ پاکستان سے یوٹرن کے مترادف ہے۔ حال ہی میں ٹی وی پر ہونے والے ایک مذاکرے میں عمران خان نے جب قائد تحریک کے اس بیان پر اعتراض کیا تو ایم کیو ایم کے ذمہ دار اور حکومتی اہلکار نے پاکستان مخالف بیان کی نفی نہیں کی بلکہ اس کو محض قائد ایم کیو ایم کی ذاتی سوچ قرار دے دیا۔ گویا

خنجر پر کوئی داغ نہ دامن پہ کوئی چھینٹ
تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو

لہٰذا ایم کیو ایم کے وابستگان نظریہ پاکستان کے انحراف پر مبنی اپنی قیادت کی سوچ پر بیدار ہوں اور بقول اقبال ''اپنی خودی پہچان، او غافل افغان'' کے مصداق اپنے بزرگوں کی قربانیوں اور ان کی راہ کو اپنے لیے اختیار کریں۔

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو
پھر پسر قابل میراث پدر کیونکر ہو

تیسری گزارش یہ ہے کہ ایم کیو ایم ہزار دعوؤں کے باوجود اپنے اندر جمہوری کلچر کو فروغ نہیں دے سکی۔ لہٰذا تحریک کا یہ رویہ بھی وابستگان کے لیے غور طلب ہے۔ اسی رویے کے فقدان کی وجہ سے ماضی میں کبھی سندھی، مہاجر، کبھی مہاجر، پٹھان سر پھٹول کا سلسلہ جاری رہا ہے تو کبھی قائد سے اختلاف کرنے والے ''حقیقی گروپ'' کے کارکنوں کو تہہ تیغ کیا گیا ہے۔ اور اب بھی رویہ 12 مئی کے روز اور بعد کے واقعات میں دیکھنے میں آیا ہے۔ چیف جسٹس کے حق میں ریلی اپوزیشن پارٹیوں کا حق تھا۔ اُس روز ایم کیو ایم کو اُس ریلی کو برداشت کر کے عمدہ جمہوری روایات کی حامل پارٹی ہونے کا ثبوت دینا چاہیے تھا، مگر اُس روز مد مقابل ریلی منعقد کر کے جمہوری روایات کو پامال کیا گیا، پھر اس کے بعد اس واقعے کے لیے تحقیقاتی بینچ بننے کے فیصلے کا خیر مقدم کیا جاتا مگر سندھ میں ایم کیو ایم کی حکومت نے اس تحقیقاتی کمیٹی یا بینچ کے امکان ہی کو رد کر دیا۔ پھر عمران خان نے اس معاملے پر قانونی چارہ جوئی کے عزم کا اظہار کیا تو اُس پر جو زبان ان کے خلاف وال چاکنگ کی صورت میں استعمال کی گئی اُس پر بھی ہندوستان کی شائستہ تہذیب و تمدن کے مراکز سے وابستہ نسل کی فرزندوں نے سنجیدہ حضرات علم و دانش کے سروں کو شرم سے جھکا دیا۔

راقم الحروف نے اب سے پانچ چھ ماہ قبل کراچی میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے برملا کہا تھا کہ مجھے ایم کیو ایم کی یہ بات بہت پسند ہے اور وہ واحد جماعت ہے جو جاگیرداری کے خلاف آواز اُٹھاتی ہے۔ چنانچہ میرے اس بیان کو کراچی کے پریس نے نمایاں طور پر شائع کیا یہاں تک کہ کراچی سے شائع ہونے والے معروف انگریزی اخبار نے تو تین کالمی سرخی لگائی تھی..... بہرحال اپنے اسی خطاب میں راقم نے اس اقدام کو بھی سراہا تھا کہ ایم کیو ایم نے ''متحدہ مہاجر موومنٹ'' کی بجائے ''متحدہ قومی موومنٹ'' کا نام اختیار کیا ہے..... تاہم اسی کے ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا تھا کہ ایم کیو ایم کی قیادت غور کرے کہ پاکستان میں کسی متحدہ قومیت کی اساس کسی نسلی، یا علاقائی امتیاز پر نہیں رکھی جاسکتی بلکہ اس کی واحد بنیاد ''اسلام'' ہی ہوسکتا ہے، جس کے نام پر اب سے ساٹھ پینسٹھ سال پہلے پورے ہندوستان کے مسلمان ایک قوم بلکہ ''بنیانِ مرصوص'' بن گئے تھے۔ جس کے نتیجے میں 1946ء کے عام انتخابات میں مسلم لیگ کو مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت ہونے کی حیثیت حاصل ہوئی..... اور اسی کے نتیجے میں پاکستان کا قیام عمل میں آیا..... اب پھر ضرورت ہے کہ ع ''شراب کہن پھر پلا ساقیا!'' کے مصداق پاکستان میں مسلم قومیت کی بنیاد کو از سر نو مستحکم کیا جائے!

آخر میں بس اتنا عرض کرتا ہوں کہ وطن عزیز اس وقت ایک ایسی کشتی کی مانند بن چکا ہے جو بیچ منجدھار میں پھنسی ہوئی ہے۔ عالمی سطح پر عالم کفر ہمارے گرد اپنا محاصرہ روز بروز تنگ کر رہا ہے۔ سیاسی طور پر ہماری صورتِ حال دگرگوں ہے۔ معاشی طور پر ہم دیوالیہ ہو چکے ہیں۔ ایک قوم تھی جو اب قومیت میں بٹ چکی ہے۔ تہذیب و تمدن کا جنازہ نکل چکا ہے۔ لہٰذا اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اس مشکل وقت میں اللہ کی جانب رجوع کیا جائے، کیونکہ موجودہ دگرگوں صورتِ حال میں وہی ہماری دستگیری فرما سکتا ہے۔

✿✿✿✿✿

بقیہ: حقوق سے محروم طبقہ

اور کوئی ماہر معیشت حل نہیں کر سکتا۔ مگر حیران کن امر تو یہ ہے کہ حکومت کو مقرر کردہ چار ہزار روپے ماہانہ اُجرت بھی بہت کم محنت کشوں کے حصہ میں آتی ہے۔ صنعتی اداروں، فیکٹریوں، کارخانوں اور دیگر جگہوں پر بنیادی تنخواہ چار ہزار روپے سے بھی کم ہے۔

محنت کشوں کا ایک طبقہ ایسا ہے جو بانڈڈ لیبر کی تعریف میں آتا ہے۔ اگرچہ ملکی لیبر قوانین میں اس کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے مگر ہر فیکٹری اور صنعتی ادارے میں ''ٹھیکیدار کی لیبر'' کام کر رہی ہے۔ اس طبقہ کے لئے اوقات کار کا کوئی پیمانہ مقرر نہیں ہے اور ستم بالائے ستم ہفتہ وار یا عام تعطیل کا بھی کوئی تصور یہاں کارفرما نہیں ہے۔ شاید اسی طبقہ پر شاعر کا یہ شعر صادق آتا ہے۔

مکتبِ عشق کا دستور نرالا دیکھا
اُس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

ہماری 'پیاری' اور محبوب حکومت گزشتہ سات سالوں سے ملکی معیشت کو ترقی دینے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے اور عام آدمی تک اس کے ثمرات پہنچانے کی کوشش کر رہی ہے مگر روشن خیالی نظریہ منافقت کی علمبردار حکومت کے دعوے عوام کی عظیم اکثریت کے لئے ایک جھوٹ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔

حکومت کے بڑوں کو ''حکومتی رٹ'' کی بڑی فکر رہتی ہے کہ کوئی اس کو چیلنج نہ کرے مگر اسلامی جمہوریہ پاکستان میں محنت کشوں کے لئے بنائے گئے قوانین اور ضابطوں پر عمل درآمد کی صورتِ حال بڑی بھیانک ہے۔ لیبر قوانین پر عمل درآمد کا معاملہ ''ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے'' کا عکاس ہے۔

حکمران طبقات کو تو ع ''اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا'' کئی معرکے درپیش ہیں۔ مگر وطن عزیز کی سیاسی و دینی جماعتیں اور این جی اوز بڑے بڑے کارہائے نمایاں سر انجام دینے میں دن رات کوشاں ہیں مگر بھولے سے بھی عوام کے ان ''خادموں'' کو بے زبان عوام کا کبھی خیال نہیں آتا۔ یہی حال صحافی برادری کا بھی ہے۔ آج کا مزدور فیض احمد فیض کا یہ شعر ہی اپنے رہبروں کی نذر کر سکتا ہے۔

دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا
تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے

آخر میں قرآن کا الہامی فرمان نذرِ قارئین ہے۔

ترجمہ:

''تباہی ہے کہ کم ناپنے اور تولنے والوں کے لئے۔ جو جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں مگر جب انہیں دیتے ہیں تو کمی کر کے''۔

گویا یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے لینے اور دینے کے پیمانے مختلف ہیں اور حقوق و فرائض کا تصور بھی جدا اور ضروریاتِ زندگی کا معیار بھی الگ۔ ع تمیز بندۂ و آقا فسادِ آدمیت ہے

مصطفیٰ کمال پاشا کی تجدد پسندی

سید قاسم محمود

مصطفیٰ کمال اتاترک کی ذہنی وفکری نشوونما اور مزاجی وطبعی ارتقا جس ماحول میں ہُوا، اُس کی بہترین عکاسی اُس کے ترک سوانح نگار ''عرفان اورگا'' نے کی ہے۔ اُس کے مطابق وہ کالج کی زندگی ہی سے مشتعل مزاج اور حُسن پرست تھا۔ شراب نوشی سے تسکین حاصل کرتا اور خدا اور حیات بعدالموت پر اعتقاد کا مذاق اُڑاتا تھا۔ اُسے دوسروں کو اپنی مرضی کے آگے جھکانے میں مزا آتا تھا۔ وہ کسی کو اپنے برابر کا نہ سمجھتا تھا۔ مناسٹر میں اُسے والٹئر اور روسو کی تحریریں پڑھنے کا اتفاق ہُوا، جن سے اُس کے باغیانہ جذبات میں مزید شدت پیدا کی۔ جوانی میں ضیاء گوکلپ کی تعلیمات کو اُس نے گویا حفظ کر لیا، جو مذہبی آزادی اور مغربی تقلید کا نقیب اور علم بردار تھا۔ چنانچہ مصطفیٰ کمال کی اصلی جنگ مذہب کے خلاف تھی۔ وہ بچپن ہی سے یہ سمجھتا آیا تھا کہ دنیا کو خدا کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اُس کے نزدیک خُدا محض ایک پُراسرار اور مغالطہ آمیز نام تھا جس کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔ اُس کا خیال تھا کہ ماضی میں اسلام محض ایک تخریبی طاقت رہا ہے اور اس نے ترکی اور ترک قوم کو بہت نقصان پہنچایا ہے اور یہ کہ اسلام کی وجہ سے ذہنی جمود، ضعیف الاعتقادی اور توہمات کی دلدل میں پھنسے رہے۔ اُس کا شروع سے مصمم ارادہ تھا کہ مذہب کو ممنوع قرار دینا چاہیے، خواہ اس کے لیے طاقت استعمال کرنی پڑے، خواہ دھوکے اور فریب سے کام لینا پڑے۔

ایک دوسرے مقام پر عرفان اورگا نے لکھا ہے کہ مصطفیٰ کمال کے نزدیک نفسیاتی اصول ونظریات اور فلسفیانہ اصطلاحات واستدلالات بے معنی تھے، اس لیے قدرتی طور پر ترکی قوم کے لیے مذہب کو غیر ضروری اور بے کار قرار دینے میں اُسے کوئی تامل نہ تھا، لیکن مذہب کی جگہ اُس نے ترک قوم کو ایک نیا دیوتا دیا یعنی مغربی تہذیب، تو یہ امر باعث تعجب نہ تھا، کیونکہ قوم نے اپنی رُوح کے لیے جنگ کی تھی۔ اُس نے دوسری قوموں کی تاریخ سے یہ سبق حاصل کیا تھا کہ پرانے دیوتا ذرا مشکل ہی سے مرتے ہیں، اس لیے خدا کا خیال ترکی قوم کے دل سے دیر سے نکلے گا۔

یہی سوانح نگار مذہب سے مصطفیٰ کمال کی نفرت کا تذکرہ کرتے ہوئے دوسری جگہ لکھتا ہے کہ یہ کوئی راز کی بات نہ تھی کہ وہ ایک غیر مذہبی آدمی تھا۔ اسی وجہ سے یہ افواہ عام طور پر سرگرم رہتی تھی، خلافت کی منسوخی جلد عمل میں آنے والی ہے۔ اِس افواہ سے مزید سنسنی پھیل گئی کہ مصطفیٰ کمال نے شیخ الاسلام کے سر پر جو قابلِ احترام بزرگ تھے، قرآن مجید پھینک مارا، لیکن بعد میں معلوم ہُوا کہ یہ واقعہ پیش نہیں آیا اور یہ محض افواہ تھی۔

> مصطفیٰ کمال جب جدید تہذیب کے متعلق گفتگو کرتا تو اُس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو جاتی تھی اور اُس کے چہرے پر ایسی کیفیت نمودار ہوتی تھی جو کسی صوفی کے مراقبے کے وقت اُس کے چہرے پر نظر آتی ہے

مغربی تہذیب سے مصطفیٰ کمال کی عقیدت وشیفتگی کا ذکر کرتے ہوئے سوانح نگار کہتا ہے کہ وہ جس چیز کی تلقین کرتا تھا اور جس پر وہ خود بھی عمل کرتا تھا، وہ نئے خدا (مغربی تہذیب) کی پرستش اور اُس کی پُرجوش وفاداری تھی۔ اُس نے لفظ ''تہذیب جدید'' کو ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پھیلا دیا۔ جب وہ جدید تہذیب کے متعلق گفتگو کرتا تو اُس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو جاتی تھی اور اُس کے چہرے پر ایسی کیفیت نمودار ہوتی تھی جو کسی صوفی کے مراقبے کے وقت اُس کے چہرے پر نظر آتی ہے۔

بہرحال مصطفیٰ کمال اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ اُس نے ترک قوم کو مغلوب ومسحور کر لیا۔ ترکوں کو رُوحانیت سے دُور کر کے ملک کو سیکولر اسٹیٹ میں تبدیل کر دیا۔ خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ شرعی اداروں، محکموں اور قوانین شریعت کو منسوخ کر کے سوئٹزرلینڈ کا قانونِ دیوانی، اٹلی کا قانونِ فوجداری اور جرمنی کا قانون بین الاقوامی تجارت نافذ کر دیا۔ پرسنل لاء کو یورپ کے قانونِ دیوانی کے مطابق کر دیا۔ دینی تعلیم ممنوع قرار پائی۔ خواتین کے پردے کو خلافِ قانون قرار دے دیا گیا۔ عربی رسم الخط کی جگہ لاطینی رسم الخط جاری کیا۔ عربی میں اذان ممنوع قرار پائی۔ قوم کا لباس مغربی کر دیا گیا۔ ہیٹ کا استعمال لازمی قرار پایا۔ انگریز مورخ آرمسٹرونگ کے بقول: ''اتاترک نے ترکی قوم اور حکومت کی دینی اساس کو منہدم کر دیا اور قوم کا نقطۂ نظر اور قبلہ ہی بدل دیا۔''

عرفان اورگا نے سیکولر ریاست کے فیصلوں اور اقدامات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے کہ پارلیمنٹ نے جو فیصلے کیے ہیں، درحقیقت وہ اسلام کے حق میں ضربِ کاری اور پیامِ مرگ کی حیثیت رکھتے تھے۔ تعلیم کی وحدت کا قانون نظامِ تعلیم میں دوررس تبدیلیوں کا سبب بنا۔ تمام تعلیمی نظام جو ترکی کی حدود میں پایا جاتا تھا، وزارتِ تعلیم کے قبضے میں آ گیا۔ اس تبدیلی نے مدرسوں کی تدریسی سرگرمیوں اور اساتذہ اور علماء کی آزادی کو ختم کر دیا۔ دوسرا اہم قدم وزارتِ مذہبی امور کا خاتمہ تھا۔ اِس وزارت کا کام مذہبی و خیراتی مقاصد کی تکمیل اور مساجد اور یتیم خانوں کی نگہداشت تھا۔

1924ء میں قوانین دیوانی وفوجداری کی سیکولرائزیشن کے بعد اگلا نشانہ عوام میں مروج نظامِ طریقت تھا، جسے جدیدیت اور مغربیت کی ترویج کی راہ میں رکاوٹ سمجھا جاتا تھا۔ 1925ء میں دو نقشبندی صوفی بزرگوں شیخ سائت اور شیخ عبداللہ کی قیادت میں بغاوت رونما ہوئی، جسے سختی سے کچل دیا اور تمام خانقاہیں اور صوفی سلسلے ختم کر دیئے گئے۔

اتاترک کے بعد ترکوں پر کیا گزری؟

اتاترک کی وفات کے بعد 11 نومبر 1938ء کو اُن کے رفیقِ کار عصمت انونو نے صدارت کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ وہ 22 مئی/1950ء تک سیکولر جمہوریہ کے صدر رہے۔

ان کے بعد جلال بایار نے 27 مئی 1960ء تک بہ حیثیت صدر کام کیا۔

پھر جنرل جمال گُرسل نے صدرِ مملکت کی حیثیت

میں دوبارہ عنان اقتدار پر قبضہ کیا اور 28 مارچ 1966ء تک ترکی کے سیاہ وسفید کے مالک بنے رہے۔

اُن کے بعد آنے والوں کی ترتیب یہ رہی:

جودت سُنائی (29 مارچ 1966ء تا 28 مارچ 1973ء)

فہری کوروترک (6 اپریل 1973ء تا 6 اپریل 1980ء)

کنعان ایورن (18 ستمبر 1980ء تا 8 نومبر 1989ء)

ترگت اوزال (9 نومبر 1989ء تا 17 اپریل 1993ء)

سلیمان ڈیمرل (16 مئی 1993ء تا 16 مئی 2000ء)

احمد نجدت سیزر (16 مئی 2000ء تا حال)

مصطفیٰ کمال اتاترک کے بعد حکمران جماعت ری پبلیکن پیپلز پارٹی کی ساتویں کانگرس منعقدہ 1947ء میں کثیر جماعتی نظام پر گفتگو ہوئی۔ اس سے پہلے 1937ء کے ترمیم شدہ دستور میں حکمران جماعت کے چھ بنیادی اُصول شامل ہو چکے تھے، جو یہ تھے:

1- Republicanism (جمہوریت)
2- Nationalism (قومیت)
3- Populism (عوامیت)
4- Etalism (ریاستی اشتراک)
5- Secularism (لامذہبیت)
6- Reformism (اصلاح پسندی)

یہ چھ اصول دستور میں شامل کر لیے گئے۔ 1946ء میں کثیر جماعتی نظامِ سیاست کی گنجائش نکالی گئی، جس کا عملی نفاذ 1950ء میں ہوا، جبکہ ڈیموکریٹ پارٹی نے انتخاب میں فتح حاصل کر کے اپنی حکومت بنائی۔ اِس نئی جماعت کو مذہبی طبقوں کی حمایت حاصل تھی۔ دوسری طرف اِس پارٹی کے بعض رہنما بھی ترکی کی تجدد پسندی اور سیکولرازم کی پالیسی میں سخت گیری اور انتہا پسندی کے خلاف تھے۔ یہ ترک عوام کی مذہب کی طرف واپسی اور اسلام سے اُن کی عقیدت وشیفتگی کا اظہار ہی تھا کہ انتخاب میں ڈیموکریٹک پارٹی کے امیدواروں کے حق میں ووٹ دیئے۔ اُنہوں نے اپنی تقریروں، بیانات اور خطبات میں ری پبلیکن پیپلز پارٹی (آر پی پی) کی مذہب کے خلاف سرگرمیوں پر سخت نکتہ چینی کی۔ اُنہوں نے عوامی جلسوں جلوسوں میں تقریریں کر کے اِس بات پر سخت ناراضی کا اظہار کیا کہ حکمران جماعت مذہبی تعلیم وتربیت کے تمام آثار مٹا دینے پر کمربستہ ہے۔

چنانچہ ڈیموکریٹ پارٹی نے اس مسئلے پر توجہ دی۔ وزارت تعلیم نے پرائمری سکولوں کے نصاب میں مذہبی تعلیم وتربیت کے منتخب کورس متعارف کرائے۔ نیز ائمہ مساجد اور مبلغین کی تربیت کے لیے بعض نصابات کا اہتمام کیا۔ مذہبی احکام پر عمل درآمد اور عبادات کی بجا آوری سے متعلق بھی حکومت کے رویے میں نرمی اور لچک پیدا ہوئی۔

1948ء میں پہلی مرتبہ زائرین بیت اللہ کو غیرملکی زرمبادلہ کی اجازت دی گئی۔ 1949ء میں بزرگوں اور اولیاء کے مزارات کی زیارت کا موقع فراہم کیا گیا۔

نئی سیاسی جماعت نے مذہب کی طرف کچھ رجحان کا اظہار ضرور کیا، مگر عوام کی امنگوں اور اسلامی جذبات کا ساتھ نہ دے سکی۔ اپنے مخصوص سیاسی مفادات کی وجہ سے صدر جمہوریہ جلال بایار چند قدموں کی پیش رفت سے زیادہ کچھ نہ کر سکے۔ چنانچہ علماء اور مذہب پسند طبقات کو مایوسی ہوئی۔ دین دار عوام کا حکومت پر دباؤ بڑھا تو ڈیموکریٹ پارٹی نے پارلیمنٹ میں سیکولرازم پر اپنے یقین کا اظہار کیا اور ایک قانون منظور کر کے مذہب کو سیاسی یا ذاتی مقاصد کے لیے استعمال کرنے پر پابندی لگا دی۔

تاہم مذہب سے عوامی وابستگی کے علانیہ مظاہرے کا اتنا فرق ضرور ہوا کہ اب انتخابی منشور میں مذہب پسندی کی جھلک نظر آنے لگی اور ری پبلیکن پیپلز پارٹی کے خلاف مذہبی نعروں کا رجحان بڑھ گیا۔ 1957ء کے انتخابات میں ڈیموکریٹ پارٹی اور شیخ بدیع الزماں سعید نُورسی کی جماعت نُور کے درمیان سمجھوتہ طے پا گیا، لیکن 27 مئی 1960ء کے فوجی انقلاب نے اس سیاسی سمجھوتے اور اتحاد کا خاتمہ کر دیا۔ جنرل جمال گرسل کے فوجی انقلاب کا مقصد ملک میں اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت کو کچلنا اور اسے سیکولرازم کی کمالی راہ پر گامزن رکھنا تھا۔

ڈیموکریٹ پارٹی کی جانشین جسٹس پارٹی نے اسلام کے حق میں نسبتاً لچکدار پالیسی اختیار کی اور جنگِ عظیم دوم کے بعد ترکی کی سیاست میں مذہب کے معاملے میں جو نرمی اور لچک پیدا ہو گئی تھی، اُسے برقرار رکھا، لیکن جسٹس پارٹی نے بھی 1961ء کے ترمیم شدہ دستور کی پوری پابندی کی، جس نے ترکی کے سیکولر کردار اور لامذہبیت کو بحال رکھا تھا۔ نئی حکومت نے بھی اسلامی سرگرمیوں کی اجازت ایک حد تک ہی دی۔ بس انہی مذہبی اعمال وتقریبات کو گوارا کیا گیا جن سے ملک کے سیکولر کردار پر حرف نہ آتا ہو۔

اِس دوران میں ایک اہم تبدیلی یہ رونما ہوئی کہ 1966ء میں شیعوں نے اپنی سیاسی جماعت ''پارٹی آف یونین'' کے نام سے تشکیل کر لی اور انتخابات میں اُسے کامیابی بھی حاصل ہو گئی، مگر اس کا فائدہ بائیں بازو کی جماعت نے اٹھایا اور اس نے متعدد شیعہ مسائل کو اُبھار کر سیاسی منفعت حاصل کر لی۔ انہی حالات میں پروفیسر نجم الدین اربکان نے 1970ء میں ''نیشنل آرڈر پارٹی'' کی بنیاد رکھی، جس کا ترکی نام ''ملّی نظام پارٹی'' رکھا گیا۔

میڈیا کے نامور سکالر جاوید احمد غامدی کے فکری تفردات، تجدد پسندانہ نظریات اور اُن کے پیش کردہ روشن خیال تصورِ اسلام کا قرآن وسنت کی روشنی میں علمی محاکمہ اور تحقیقی تجزیہ

جاوید احمد غامدی کے متجددانہ نظریات پر منفرد اور مستند کتاب

فکرِ غامدی

ایک تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ

تالیف

حافظ محمد زبیر، حافظ طاہر اسلام عسکری

شعبہ تحقیق اسلامی، قرآن اکیڈمی لاہور

☆ معیاری کمپیوٹر کمپوزنگ ☆ اعلیٰ سفید کاغذ ☆ عمدہ طباعت

☆ صفحات: 128 ☆ قیمت: 70 روپے

شائع کردہ: مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔ کے، ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون: 3-5869501

website : www.tanzeem.org email : maktaba@tanzeem.org

ریاست پاکستان میں

انسانی حقوق سے محروم طبقہ

نعیم اختر عدنان

آج کا انسانی معاشرہ جدید سائنسی ایجادات کی بدولت ایک گلوبل ولیج (عالمی گاؤں) بن چکا ہے۔ مگر اس گلوبل ولیج کے کافی بڑے حصہ پر ظلم و ناانصافی کی چکی میں انسان بری طرح پس رہا ہے۔ جدید سائنس اور ٹیکنالوجی نے انسان کی صلاحیتوں میں بے پناہ اضافہ کر دیا ہے۔ علم و فن کی صلاحیتوں سے آراستہ و پیراستہ انسان نے سماجیات، سیاسیات، معاشیات جیسے اجتماعی شعبوں میں کئی نئے جہان آباد کر کے جدید ریاست کو ''اسٹیٹ کرافٹ'' میں بدل دیا ہے۔ اس جدید، ترقی یافتہ اور فلاحی ریاست میں حکومت، پارلیمنٹ اور عدلیہ کے شعبہ الگ الگ دائرہ ہائے کار میں ریاست کے ادارے کی حیثیت سے ملکی آئین کے تحت پوری طرح متحرک اور فعال حیثیت سے موجود ہوتے ہیں۔ چنانچہ جس ملک میں ریاست کے یہ تین ستون جس نسبت سے متحرک ہوں گے اسی تناسب سے وہ قوم ترقی یافتہ کہلاتی ہے۔ اسی اصول کی رو سے دنیا کی واحد سپریم پاور امریکہ کا اجتماعی نظام جدید اور ترقی یافتہ سماج کی معراج سمجھا جاتا ہے۔ گویا امریکی نظام اجتماعی کو ''ماڈل اسٹیٹ کرافٹ'' کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ ریاست کے آئینی اداروں کی طرح سیاسی، سماجی اور سیاسی سطح پر حقوق و فرائض کی درست تقسیم اور ان حقوق و فرائض کی ادائیگی کے بغیر کوئی ریاست اور کوئی سماج خود کو ترقی یافتہ اور مثالی نہیں کہلا سکتے۔

واقعہ یہ ہے، ''عروج آدم خاکی'' کے عہد بے مثال کی تمام تر رعنائیوں کے باوجود کرۂ ارض پر بسنے والے انسانوں کی عظیم اکثریت اپنے انسانی حقوق سے مسلسل محروم چلی آ رہی ہے۔ اس ظلم و استحصال کی دلدل سے نکلنے کے لئے کبھی فرانس کا انقلاب برپا ہوا تو کسی جگہ کمیونسٹ انقلاب نے اپنی سحر انگیزی سے دنیا کو مسحور کئے رکھا۔ آج کی مہذب دنیا کا مقبول عام نظریہ جمہوریت بھی اس عدل و انصاف کے تصور تک رسائی ہی کا دوسرا نام ہے۔

آج پوری دنیا میں انسانی حقوق اور ان کا تحفظ مذہب کا درجہ اختیار کر چکا ہے۔ چنانچہ اقوام متحدہ نے ان تصورات کو اجاگر کرنے کے لئے ''دن منانے'' کی روایت کو عام کیا۔ خواتین کے حقوق سے انسانی سماج کو آگاہ کرنے کے لئے یوم خواتین منایا جاتا ہے۔ یوم والدین، یوم اساتذہ اور محنت کشوں کا عالمی دن ''یوم مئی'' اس سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ ماضی کی طرح 2007ء کے یوم مئی کے موقع پر بھی دنیا کے کئی ممالک میں ریلیاں منعقد ہوئیں۔ سیمینار اور سمپوزیم ہوئے، قرار دادیں منظور ہوئیں، مضامین لکھے گئے اور مطالبات دہرائے گئے۔ حکمرانوں اور مزدور رہنماؤں کے بیانات اور پیغامات شائع ہوئے۔ کئی اخبارات اور نیوز چینلز نے مزدوروں کے مسائل اور حالات کار پر فیچر شائع کئے اور ڈاکومینٹریز پیش کیں...... اس سب کے باوجود محنت کشوں کی گاڑی کا پہیہ پھر سے روایتی ٹریک پر ہی رواں دواں نظر آتا ہے۔ اقوام متحدہ کے ادارہ کے تحت ''انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن'' (آئی ایل او) کے نام سے ایک ادارہ کام کر رہا ہے۔ جس کا اپنا چارٹر ہے جس پر عمل درآمد کرنا تمام ممبر ممالک پر لازم ہے...... مگر ریاست اسلامی جمہوریہ پاکستان میں رائج الوقت لیبر قوانین عالمی ادارہ محنت کے مطلوبہ معیار سے کم تر ہیں...... پاکستان کے اندر رائج الوقت لیبر قوانین پر عمل درآمد کی صورت حال ناگفتہ بہ اور ناقابل بیان ہے۔ محنت کش طبقہ پر انسانیت سوز ظالمانہ سلوک کے باوجود کسی جگہ بھی قابل ذکر اور مؤثر آواز بلند ہوتی سنائی نہیں دے رہی۔ آخر کیوں؟

> محنت کش طبقے کے لئے چار ہزار چھ سو روپے میں یوٹیلٹی بلز کی ادائیگی اور جسم و جان کے رشتے کو برقرار رکھنے کے لئے رزق کا بندوبست ایک ایسا معمہ بن چکا ہے جسے کوئی اقتصادی مشیر اور کوئی ماہر معیشت بھی حل نہیں کر سکتا

دنیا کی غالب اقوام کے اپنے اہداف اور مقاصد ہوتے ہیں جن کو بروئے کار لانے کے لئے یہ اقوام ہر طریقہ اور حربہ استعمال کرتی ہیں۔ جس کی دو بڑی مثالیں ''حقوق نسواں کا تحفظ'' اور ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' ہیں۔ عالمی سطح پر نافذ العمل سرمایہ داری نظام میں محنت کش طبقہ ''غلاموں'' کی طرح جکڑا ہوا حیوانوں کی طرح زندگی کے دن پورے کر رہا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں بحیثیت مجموعی تمام شہری انسانی حقوق سے بہرہ مند ہیں اور ریاست کے تمام ادارے ان حقوق کی شہریوں کو فراہمی کے لئے متحرک رکھتے ہیں۔ پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک میں زرعی زمینوں پر کام کرنے والے کاشتکار (کھیت مزدور) اور فیکٹریوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی حالت کی عکاسی حکیم الامت علامہ محمد اقبال نے کچھ یوں فرمائی تھی:

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

استحصالی اور ظالمانہ نظام کے سبب اسلامی جمہوریہ پاکستان میں مزدور طبقہ بدترین سرمایہ داری نظام کی چکی میں بری طرح پس رہا ہے۔ پیپلز پارٹی کے بانی ذوالفقار علی بھٹو کے عہد حکومت میں مزدور طبقہ کے لئے کئی قوانین بنے، کئی پالیسیاں مرتب ہوئیں۔ مگر 1974ء کے بعد 2007ء تک کا طویل عرصہ حکومت و ریاست کی سطح پر ''مکمل خاموشی'' کا دور کہلا سکتا ہے۔ عالمی قوانین کے مطابق محنت کشوں کے روزانہ اوقات کار کی حد آٹھ گھنٹہ تک محدود ہے۔ مگر عملاً اکثر جگہوں پر بارہ سے سولہ گھنٹہ کام لیا جاتا ہے (ملازم خواتین بھی اس ظلم سے آزاد نہیں ہیں)۔ لیبر قوانین کے مطابق آٹھ گھنٹے سے زیادہ کام کی صورت میں مزدور کو تنخواہ کی مناسبت سے دگنا معاوضہ دینے کی پابندی ہے۔ مگر اس قانون پر عمل درآمد بھی خال خال ہی ہوتا ہے۔ بقول شاعر

یہ علم یہ حکمت یہ تدبر یہ حکومت
پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیم مساوات

پاکستان میں رائج سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی محنت کش کے لئے ''میگا پراجیکٹ'' کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ صنعتی اداروں اور فیکٹریوں میں کام کرنے والے محنت کشوں کی کم از کم اجرت کی شرح حالیہ بجٹ میں اضافہ کے بعد مبلغ چار ہزار چھ سو روپے ہے۔ اس شرح اُجرت میں پانچ افراد کے کنبے کی کم از کم ناگزیر بنیادی ضروریات خوراک، تعلیم، رہائش، علاج وغیرہ کی فراہمی کسی فارمولے کے تحت ممکن نظر نہیں آتی۔ محنت کش طبقے کے لئے چار ہزار روپے میں یوٹیلٹی بلز کی ادائیگی اور جسم و جان کے رشتے کو برقرار رکھنے کے لئے رزق کا بندوبست ایک ایسا معمہ بن چکا ہے جسے کوئی اقتصادی مشیر (باقی صفحہ 9 پر)

اقتدار کی ڈوبتی کشتی کو بچانے کی حکومتی کوششیں

محمد سمیع

جب سمندر میں کسی ایسے جہاز کو مشکلات کا سامنا ہوتا ہے جس پر سامان لدا ہوا ہو مثلاً اسے سمندری طوفان کا سامنا ہو، تو جہاز کو ڈوبنے سے بچانے کے لئے کچھ سامان سمندر میں پھینک دیا جاتا ہے۔ پھر جب یہ جہاز بقیہ سامان لے کر اپنی منزل مقصود کو پہنچتا ہے تو اس نقصان کا تخمینہ لگایا جاتا ہے جو کچھ سامان سمندر بُرد کرنے کے نتیجے میں ہوتا ہے، اور اس نقصان کا اوسط لگا کر ان تمام کمپنیوں پر تقسیم کر دیا جاتا ہے جن کا سامان اس جہاز پر لدا ہوا ہو۔ اس کو انشورنس کی اصطلاح میں General Average کہا جاتا ہے۔ جنرل ایوریج کی اس رقم کو انشورنس کمپنیاں ان کمپنیوں کو ادا کرتی ہیں جن کے سامان کا انشورنس انھوں نے کر رکھا ہو۔ اس موقع پر استاد قمر جلالوی کا وہ شعر یاد آ رہا ہے جو اس صورتحال پر صادق آتا ہے۔

اب نزع کا عالم ہے مجھ پر تم اپنی محبت واپس لو
جب کشتی ڈوبنے لگتی ہے تو بوجھ اتارا کرتے ہیں

غالباً حکومت نے پہلے پہل تو اپنے اقتدار کی ڈولتی کشتی کو بچانے کے لئے مسلم لیگ (ق) کے بوجھ سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہا، لیکن اس نے غضب یہ کیا کہ پیپلز پارٹی کے ساتھ ڈیل کا ڈول ڈالنا شروع کر دیا۔ اس نے مسلم لیگ (ق) کی قیادت کو پریشان کر دیا۔ ظاہر ہے کہ جب محبوب ہرجائی ہونے کا ثبوت دینے لگے تو عاشق کو پریشانی تو ہوتی ہے۔ لیکن برا ہو چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کا جو اس سارے سین میں ایک ولن بن کر ابھرے اور صدر پرویز مشرف پیپلز پارٹی معاشقے میں کھنڈت پڑ گئی۔ لیکن اس کی ذمہ داری بھی صدر پرویز مشرف پر عائد ہوتی ہے، جنھوں نے اپنے نادان دوستوں کے بہکاوے میں آ کر چیف جسٹس کو غیر فعال کر کے انھیں جبری رخصت پر بھیج دیا اور ان کے خلاف سپریم جوڈیشل کونسل میں ریفرنس دائر کر دیا۔ اور اب یہ ریفرنس عدالت عالیہ میں زیر سماعت ہے۔ اپنی اس چال میں ناکامی کا سامنا دیکھ کر حکومت نے پینترا بدلا، اور اپنے اقتدار کی کشتی کو بچانے کے لئے SOS کالز دینے شروع کر دیئے۔ لہٰذا امام کعبہ محترم فضیلت الشیخ عبدالرحمٰن السدیس کو دعوت دے کر بلایا گیا، تاکہ ان سے حکومت کے حق میں بیان جاری کروائے جا سکیں۔ ظاہر ہے کہ امام کعبہ کی حیثیت سے محترم عبدالرحمٰن السدیس قوم کے لئے محترم المقام ہیں اور ان کو ایک فضیلت یہ بھی حاصل ہے کہ ان کی قراءت کو پورے ملک میں پسند کیا جاتا ہے اور ہمارے اکثر قاری صاحبان ان کے انداز قراءت کی نقل کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ قوم کو بڑی خوشی ہوئی تھی جب محترم امام کعبہ نے شاہ فیصل مسجد اسلام آباد میں خطاب جمعہ ارشاد کرتے ہوئے سورۃ المائدہ کی آیت کے حوالے سے فرمایا تھا کہ جو لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں۔ پاکستانی قوم اچھی طرح اپنے حکمرانوں کے لچھنوں سے آگاہ ہے کہ موجودہ حکومت دہشت گردی کے خلاف نام نہاد عالمی اتحاد میں شامل ہو کر پہلے تو طالبان کی اسلامی ریاست کے خاتمہ کا سبب بنی۔ پھر ان مجاہدین کو جنہوں نے ماضی میں افغانستان پر روسی جارحیت کے خلاف جہاد کیا، سینکڑوں کی تعداد میں پکڑ پکڑ کر امریکہ کے حوالے کیا، کیونکہ امریکہ ان مجاہدین کی باقیات کو اپنا مقصد حاصل کرنے کے بعد دہشت گرد قرار دے رہا ہے، پھر ہمارے حکمرانوں نے اسلامی شعائر داڑھی اور پردے کا کھلے عام مذاق اڑایا، اور وہ حدود آرڈیننس میں ترمیم کے ذریعہ حدود اللہ کو پامال کرنے کا ذریعہ بنے۔ لہٰذا ہماری بھولی قوم نے یہ سمجھا کہ ہمارے حکمرانوں کو محترم المقام عبدالرحمٰن السدیس کے خطبۂ جمعہ کی روشنی میں کچھ تو شرم آئے گی، لیکن ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی کہ اگلے ہی دن ان سے یہ بیان دلوایا گیا کہ پاکستانی قوم اپنی قیادت کو مستحکم کرے۔ قوم یہ سمجھتی ہے کہ یا تو محترم فضیلت الشیخ اپنے منصب کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں اتنے مصروف رہتے ہیں کہ انھیں پاکستان میں گزشتہ سات آٹھ سال سے جاری حالات کا علم نہیں، یا پھر انھوں نے میزبانوں کے کہنے پر ایسا بیان جاری کیا ہے۔ اس طرح ہمارے حکمرانوں نے ان کی محترم حیثیت کو بھی قوم کے سامنے مجروح کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاہم قوم حرمین شریفین کے تقدس کے پیش نظر ان مقدس مقامات سے وابستہ افراد کی عزت کرتی رہے گی اور ہمارے حکمرانوں کی یہ چال بھی ان شاء اللہ ناکام ہو گی، جس طرح اب تک کی ان کی ساری چالیں ان پر الٹی پڑ رہی ہیں اور وہ اس شعر کی تعبیر بن کر رہ گئے ہیں کہ ؎

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا

ان شاء اللہ اقتدار کی ہوس ان کا کام تمام کر کے چھوڑے گی۔ حالات تو اسی نہج پر جا رہے ہیں۔

> چیف جسٹس کے خلاف ریفرنس سے پرویز مشرف پیپلز پارٹی ڈیل کو نقصان پہنچا۔ مگر اس کی ذمہ داری خود صدر پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے اپنے نادان دوستوں کے بہکاوے میں آ کر یہ اقدام کیا ہے

ضرورت رشتہ

☆ تنظیم اسلامی سے وابستہ صادق آباد سے متوسط آرائیں فیملی کی باپردہ، 23 سالہ MBA (فائنل) بیٹی کے لئے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔
برائے رابطہ: 068-5705528

☆☆☆☆☆

☆ جہلم میں رہائش پذیر لڑکی، عمر 26 سال، تعلیم ایم بی اے، قوم ڈار راجپوت، حجاب اور صوم صلوٰۃ کی پابند کے لئے جہلم یا ملحقہ اضلاع سے دینی مزاج کے حامل ہم پلہ لڑکے کا رشتہ مطلوب ہے۔
برائے رابطہ: 0300-9118363

☆☆☆☆☆

☆ لاہور میں مقیم راجپوت زرگر فیملی کو اپنی (مطلقہ) بیٹی عمر 30 سال (ہمراہ ایک بچی) کے لیے دیندار اور پڑھے لکھے گھرانے سے رشتہ درکار ہے۔ والدین یا سرپرست رابطہ کریں۔ برائے رابطہ: 0322-4505630

☆☆☆☆☆

☆ شیخوپورہ شہر میں رہائش پذیر ایک شریف اور خوشحال خاندان کی باپردہ بیٹی، عمر 24 سال، تعلیم بی اے، بی ایڈ کے لیے جو ایک مقامی سکول میں پڑھا رہی ہے دینی مزاج کے حامل، پڑھے لکھے برسر روزگار نوجوان کا رشتہ مطلوب ہے۔
رابطہ: پروفیسر داؤد احمد، 0300-9401048

پاکستان میں تبدیلی کا ایجنڈا

امریکی ایجنڈا کے مطابق آئندہ انتخابات کے نتیجے میں ایک ایسی حکومت وجود میں آئے گی جس سے حکمران پارٹی کو دو تہائی کی واضح اکثریت حاصل ہوگی، اور وہ ملک میں ترقی پسند سیکولر نظام کے لئے آئین میں اپنی مرضی سے ترامیم کرسکے گی

جنرل (ر) مرزا اسلم بیگ

پاکستان اور ترکی میں سیکولر اور روشن خیال طبقے کو برتری دلانے کے لئے نت نئے تجربات کا سلسلہ جاری ہے اور یہ کارروائی دونوں ممالک کی مسلح افواج کی زیرسرپرستی ہورہی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ترکی کی مسلح افواج کو ان کا آئین اس امر کی اجازت دیتا ہے جبکہ پاکستانی افواج کو اس قسم کی کوئی آئینی سہولت حاصل نہیں۔ ترک مسلح افواج نے ایک باقاعدہ مہم شروع کر رکھی ہے جس سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ اسے کچھ حد تک عوامی اور سیاسی جماعتوں کی تائید حاصل ہے اور اس طرح وہ طیب اردگان کی حکومت پر دباؤ ڈال رہی ہے کہ وہ پارلیمنٹ میں اور پارلیمنٹ سے باہر سیکولر طبقے کے مرتبے اور حیثیت کو مقدم سمجھیں ورنہ نتائج کے ذمہ دار وہ خود ہوں گے۔

پاکستان میں مسلح افواج نے 2002ء کے انتخابات میں کامیابی کے بعد ایسی مخلوط حکومت کی بنیاد ڈالی جو کہ سیکولر، روشن خیال اور مذہبی جماعتوں کا ملغوبہ تھی۔ امریکہ کو اسلامی خطرے کا ڈراوا دینے کی خاطر صوبہ سرحد اور بلوچستان میں اسلامی جماعتوں کی حکومتیں بنوائی گئیں۔ جسے امریکہ نے اسلامی بنیاد پرستوں کی جانب سے خطرے کو سنجیدگی سے محسوس کرتے ہوئے ہنگامی منصوبہ Contingecy Plan مرتب کیا، تاکہ اگر پاکستان میں اسلامی بنیاد پرستوں کو اقتدار مل جائے تو اس کا سدباب کیا جاسکے۔ اب جبکہ اس مفروضے نے اپنا کام دکھلا دیا ہے تو اس نظام کو ”ترقی پسند اور سیکولر نظام“ سے بدلنے کی تیاریاں کی جارہی ہیں اور یہی امریکہ کا بھی ایجنڈا ہے کہ کسی طرح پاکستان میں بالخصوص اور پورے خطے میں بالعموم ابھرتے ہوئے اسلامی قوتوں کے خطرے کو محدود کردیا جائے۔

لہٰذا ملک کے تمام سیکولر طبقوں کے اتحاد کو یقینی بنانے کے لئے کمال مہارت سے ”ڈیل اور ڈھیل“ کے حربے بروئے کار لائے گئے اور اس طرح مسلم لیگ (ق)، پاکستان پیپلز پارٹی، ایم کیو ایم اور عوامی نیشنل پارٹی پر مشتمل سیکولر اخیالات کی حامل سیاسی جماعتوں کے اتحاد کی تمام تیاریاں مکمل کر لی گئیں اور اپنی سیاسی طاقت کے اظہار کے لئے کھلم کھلا الیکشن مہم شروع کردی گئی۔ اعتدال پسندی اور روشن خیالی Enlightened Moderation اس اتحاد کا مرکزی تصور تھا۔ اس کے مقابلے میں حزب اختلاف کی جماعتیں کوئی واضح اور مؤثر اتحاد بنانے میں ناکام رہیں۔

اس طرح حکومت نے 2007ء میں منعقد ہونے والے انتخابات کے نتائج اپنے حق میں کرنے کی تمام منصوبہ بندی کرلی جو اس بات کی غماز تھی کہ سیکولر جماعتوں کے اس مجوزہ اتحاد کے بل بوتے پر صدر پرویز مشرف 2012ء تک برسر اقتدار رہیں گے، لیکن وائے قسمت کہ ان تمام موافق حالات میں صدر مشرف نے چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کے خلاف ریفرنس دائر کر کے خود اپنے ہاتھوں سے پتھر اپنے پاؤں پر گرایا ہے۔ صدر کے اس اقدام کے خلاف ”بار اور بنچ“ نے سخت مزاحمت کی اور اب سیاسی جماعتوں کے شامل ہوجانے سے یہ مسئلہ ایک منظم سیاسی تحریک کی شکل اختیار کر چکا ہے۔

اگر فوج کو آئین میں مستقل کردار حاصل ہو جاتا ہے تو اس کے بڑے بھیانک نتائج برآمد ہوں گے، کیونکہ اس طرح ڈکٹیٹروں کو کھلی چھٹی مل جائے گی کہ وہ اپنی مرضی کا نظام نافذ کرسکیں۔ یہ اقدام نظریہ پاکستان سے یوٹرن کے مترادف ہوگا جس سے پاکستان کی نظریاتی اساس یکسر تبدیل ہو کے رہ جائے گی

حکومت نے اس تحریک کو اپنے اتحاد کے لئے خطرہ سمجھا اور کچل دینے کا منصوبہ تیار کیا جس کے لئے ایم کیو ایم کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ اس سلسلے میں پہلا قدم اٹھائے۔ ایم کیو ایم کی اس کارروائی نے کراچی کی سڑکوں کو خون میں نہلا دیا اور بالآخر حکومت کو اپنے ہی اتحاد میں دراڑیں پڑتی دکھائی دینے لگیں۔ پیپلز پارٹی نے اس قتل و غارت کا ذمہ دار ایم کیو ایم کو ٹھہراتے ہوئے اس کی شدید مذمت کی اور نقصان کے ازالے کا مطالبہ کیا، جبکہ عوامی نیشنل پارٹی نے ”خون کے بدلے خون“ کا نعرہ لگایا۔ دوسری طرف پاکستانی عوام حکومت کی بے حسی پر حیرت کی تصویر بنے ہوئے تھے، کیونکہ حکومت نے کراچی کی خونریزی کو اپنی فتح سے موسوم کیا تھا۔

کراچی میں بہائے جانے والے بے گناہ انسانی خون پر عوامی شدید ردعمل اور ایم کیو ایم سے اظہار نفرت کو دیکھتے ہوئے حکومت کو اس بات کا احساس ہوا کہ ان کا اتحاد خطرے میں ہے، اس لئے حکومت نے اتحاد کو بچانے کے لئے موزوں حکمت عملی ترتیب دینے کا فیصلہ کیا۔ کشیدہ حالات کو درست کرنے Damage Control کے ماہرین فوری طور پر واشنگٹن سے پاکستان پہنچے تاکہ حکومت کو اس ممکنہ نقصان سے بچایا جاسکے اور آخر کار ایم کیو ایم، حکومت اور دیگر خیرخواہوں کے تعاون سے پاکستان پیپلز پارٹی اور عوامی نیشنل پارٹی کا غصہ ٹھنڈا کرنے میں کامیاب ہوئی اور کراچی کے مقتولین اور زخمیوں کے لئے معاوضہ ادا کر کے ان کا نقصان پورا کردیا گیا۔ اس کے بعد صدر پرویز مشرف نے کراچی سے اعلان کیا کہ ”کراچی کے واقعات کی تحقیقات کرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔“ کیونکہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو مرنے والوں کے ساتھ ہی ختم ہو چکا ہے۔ اس طرح حکومت کے مجوزہ اتحاد کو ٹوٹنے سے بچا لیا گیا۔

بار اور بنچ کی چلائی گئی اس تحریک کا واحد مقصد پاکستان میں عدلیہ کے وقار کا تحفظ اور آئین کی حکمرانی قائم کرنا ہے۔ انہوں نے سیاست دانوں کے لئے زمین مناسب طرح سے ہموار کردی ہے تاکہ وہ اس تحریک کو منطقی انجام تک پہنچائیں مگر تاحال حزب اختلاف کی جانب سے سوائے جھنڈے لہرانے اور گرما گرم تقریریں کرنے کے علاوہ کوئی حوصلہ افزا اقدام اٹھتا نظر نہیں آتا۔ انہیں اس بات کا بھی احساس نہیں کہ زمین ان کے پاؤں کے نیچے سے مسلسل پھسلتی جارہی ہے۔ ایک طرف مسلم لیگ (نواز) میثاق جمہوریت کی یرغمال بنی ہوئی ہے، تو دوسری طرف متحدہ مجلس عمل میں شامل جمیعت علمائے اسلام مصلحت کا شکار ہے۔ حزب اختلاف اس بات سے قطعاً بے خبر ہے کہ وردی کے سائے تلے آزادانہ و منصفانہ انتخابات کے انعقاد کی تمام تر تیاریاں مکمل کر لی گئی ہیں، جنہیں بعد میں وائٹ

ہاؤس اور یورپی یونین کی جانب سے پاکستانی تاریخ کے سب سے زیادہ منصفانہ انتخابات کی سند عطا ہو جائے گی۔ ان انتخابات کے نتیجے میں ایک ایسی حکومت وجود میں آئے گی جس سے حکمران پارٹی کو دو تہائی کی واضح اکثریت حاصل ہوگی اور وہ آئین میں مرضی سے ترامیم کر سکیں گے اور ''دس مرتبہ باوردی صدر کو منتخب کرنے کی خواہش'' کی تکمیل کے لئے اس حد تک بھی جا سکتے ہیں کہ مسلح افواج کے مستقل کردار کی شق کا اضافہ کر دیں گے۔ اس طرح مسلح افواج بوقت ضرورت منتخب حکومت کا تختہ الٹنے کی تہمت سے بھی بچ جائیں گی۔ اللہ کرے پاکستانی عوام کے مستقبل کا منظرنامہ اتنا تاریک نہ ہو۔

25 مئی 2007ء کو جناب قاضی حسین احمد کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی قومی مجلس مشاورت میں مجھے شرکت کی دعوت ملی۔ اس کانفرنس میں شامل بعض سیاسی قائدین مثلاً جناب محمود خان اچکزئی اور جناب حاجی عدیل نے پاکستان کی مسلح افواج کے کردار پر کڑی نقطہ چینی کرتے ہوئے انہیں تمام برائیوں کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ میں نے ان کی بات کے جواب میں کہا کہ مسلح افواج تنہا اس جرم میں ملوث نہیں بلکہ اس جرم میں پاکستان کی سیاسی جماعتیں برابر کی شریک ہیں، جو ہمیشہ ڈکٹیٹروں کی حوصلہ افزائی کر کے اقتدار پر قبضہ کرنے کی راہ ہموار کرتی رہی ہیں۔

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ ایوب خان کے خلاف چلائی گئی سیاسی تحریک کے نتیجے میں اقتدار جنرل محمد یحییٰ خان کے ہاتھ آیا۔ ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف تحریک چلی تو جنرل ضیاء الحق برسراقتدار آ گئے۔ اسی طرح نواز شریف کے خلاف جی ڈی اے کی تحریک کے نتیجے میں جنرل پرویز مشرف آ گئے۔ ان تمام ڈکٹیٹروں کو اقتدار میں لانے اور ان کے ناجائز اقتدار کو دوام بخشنے میں سیاسی پارٹیاں سالہا سال نہایت تابعداری سے ان کی خدمت کرتی رہی ہیں۔ یہ ہماری قومی سیاسی تاریخ کا تاریک باب ہے جبکہ موجودہ صورتحال میں اگر فوج کو آئین میں مستقل کردار حاصل ہو جاتا ہے تو اس کے بڑے بھیانک نتائج برآمد ہوں گے، کیونکہ اس طرح ڈکٹیٹروں کو کھلی چھٹی مل جائے گی کہ وہ اپنی مرضی کا نظام نافذ کر سکیں۔ یہ اقدام نظریہ پاکستان سے یوٹرن کے مترادف ہوگا جس سے پاکستان کی نظریاتی اساس یکسر تبدیل ہو کے رہ جائے گی۔

پاکستان اور ترکی کی مسلح افواج میں مکمل نظریاتی ہم آہنگی نہیں ہے، کیونکہ ترکی فوج ''جبری بھرتی'' کے اصول کے تحت تشکیل پاتی ہے اور اس طرح وہ پورے ملک کی نمائندگی کرتی ہے۔ جبکہ پاکستانی افواج میں ہر پاکستانی اپنی مرضی سے شمولیت اختیار کر سکتا ہے۔ پاکستانی فوج میں چونکہ اکثریت کا تعلق صرف دو صوبوں سے ہے، اس لئے یہ پورے ملک کی بھرپور نمائندگی نہیں کرتی۔ اس طرح اگر فوج نے طاقت کے ذریعے ملک میں سیکولر نظام رائج کرنے کی کوشش کی تو اس سے قومی یکجہتی پر بہت برے اثرات مرتب ہوں گے۔ دوسری جانب اسلامی قوتیں جنہوں نے افغانستان اور عراق میں قابض افواج کو ناکوں چنے چبوا رکھے ہیں، وہ بھی اس کے خلاف اٹھ کھڑی ہوں گی اور ان کی آواز کو دبانا مشکل ہی نہیں، بلکہ ناممکن ہو جائے گا۔ کیونکہ اس وقت پاکستان اور افغانستان اسلامی مزاحمت کاروں کا گڑھ ہیں اور اس کی وجہ امریکہ ہے، جس نے افغانستان پر روسی قبضے کے خلاف سارے ممالک کے جہادیوں کو دعوت دی، انہیں تربیت دی اور قابض فوجوں کے خلاف آٹھ سال تک جنگ میں ملوث رکھا جس کے سبب ایک ایسی مدافعتی قوت پیدا ہوئی جو آج ناقابل شکست ہے۔

اس مدافعتی قوت پر کسی کا بھی کنٹرول نہیں اور ہر اس جدوجہد میں وہ خود شامل ہو جاتی ہے، جہاں مسلمان اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہوں۔ لہٰذا موجودہ ملکی صورتحال اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ نہایت دانشمندی سے سوچ سمجھ کر قدم اٹھایا جائے تا کہ ملک کو نہ صرف جمہوریت کی راہ پر ڈالا جا سکے بلکہ آئین اور قانون کی بالادستی بھی یقینی بنائی جا سکے اور حکمرانوں کی جانب سے ملک میں کوئی ایسا نظریہ متعارف نہ کرایا جائے جو کہ عوامی سوچ سے متصادم ہو۔

آج کی صورتحال کے ضمن میں مسعود مفتی صاحب نے درست کہا ہے: ''جابرانہ نظام کے ستائے ہوئے ایک باضمیر شخص کی پکار نے عوام میں بجلی کی سی گرج پیدا کر دی ہے اور اب عوام کی اصل طاقت کا احساس ہوا ہے کہ جس کے آگے کسی جبر یا سیاسی تدبیر کے ذریعے بند باندھنا ممکن نہیں رہا۔'' (بشکریہ روزنامہ ''انصاف'')

قضائے عدل

اُمِّ عمار عبدالخالق

مشرف کا حکم اجل آ گیا! خدا کا لمقامِ عدل آ گیا!
سجایا تھا میدان اپنے لئے مگر مردِ میدان اور آ گیا!
جو کھودا گڑھا تھا کسی کے لیے خود اس میں وہ گرتا نظر آ گیا!
جو کہتا ہے وردی میری کھال ہے وہ وردی اترنے کا وقت آ گیا!
دیا توڑ وردی نے بابِ عدل قضائے اجل سے عدل آ گیا!
تھا پھانسا بہت سوں کو جس نے یہاں وہ صیاد خود دام میں آ گیا!
ظلم کی تھی لاٹھی برہنہ بہت بے آواز لاٹھی کا وقت آ گیا!
تھا کرسی نے اس کو چڑھایا بہت مگر اب گرانے کا وقت آ گیا!
لگایا تھا پھندا کسی کے لیے کڑکی میں خود اس کا سر آ گیا!
نہیں معاف کرتا خدا ظلم کو کہ ظالم کا یومِ حساب آ گیا!
ڈرو بنتِ اسرار رب سے ابھی تمہارا اگر کوئی وقت آ گیا!

☆ کیا کسی غیر مسلم ملک میں ملازمت کرنے والے شخص کی آمدنی جائز ہے؟

☆ کیا والدین کے آگے احتراماً جھکنا درست ہے؟

☆ کیا ماں باپ کی رضامندی کے بغیر لڑکی شادی کر سکتی ہے؟

پوچھے گئے سوالات کے قرآن و سنت کی روشنی میں جوابات

س: کسی غیر مسلم ملک میں مرغی کو ذبح مسلمان کرتا ہے لیکن اس کی مدد غیر مسلم ملازم کرتا ہے۔ کیا ایسی مرغی کا گوشت کھانا جائز ہے؟

ج: ایسی مرغی کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

س: ایک مسلمان کسی غیر مسلم ملک مثلاً امریکا، جاپان یا فلپائن میں ملازمت کرتا ہے۔ کیا اس کی آمدنی جائز ہو گی، دراں حالیکہ ان ممالک میں سود، لاٹری، جوا وغیرہ عام ہے۔

ج: اگر کوئی شخص اپنی محنت کا معاوضہ لیتا ہے تو اس کو ہم حرام نہیں کہہ سکتے، جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں آپؐ کے زمانہ میں بعض صحابہؓ یہود کے ہاں جا کر محنت مزدوری کرتے تھے اور ان کی اجرت کو آپؐ نے حرام قرار نہیں دیا۔

س: کیا والدین کے آگے احتراماً جھکنا درست ہے؟

ج: کچھ چیزیں صرف اللہ کے لیے خاص ہیں مثلاً عبادت، سجدہ، نذر و نیاز، دعا وغیرہ، اسی طرح جھکنا بھی عبادت کا ایک جز ہے، مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ رکوع جھکنے ہی کی ایک شکل ہے اور یہ نماز کا ایک اہم رکن ہے۔ جس طرح اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا حرام ہے اسی طرح اللہ کے علاوہ کسی اور کے سامنے رکوع کی مانند جھکنا بھی حرام ہے۔ ہاں اگر کسی معاشرہ میں کسی کے ادب و احترام کے لیے تھوڑا بہت جسم کو خم دینے کا رواج ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس میں اصل محرک محبت یا ادب و احترام کا جذبہ ہوتا ہے نہ کہ دوسرے کی تعظیم۔ لیکن اگر کوئی شخص دوسرے کی تعظیم و کبریائی کی وجہ سے اس کے سامنے ذرا سی گردن بھی جھکائے گا یا اس کے لیے محض کھڑا ہی ہوگا تو اسے بھی آپؐ نے شرک میں شمار کیا ہے۔

س: کبھی کبھار ہم لوگ مسجد میں سے نکلتے ہیں تو جوتے غائب پاتے ہیں۔ کیا ایسی صورت میں اس بات کی اجازت ہے کہ کسی اور کے جوتے پہن کر چلے جائیں؟

ج: آپ کو اس صورت میں بالکل اجازت نہیں ہے کہ آپ کسی اور کے جوتے لے کر غائب ہو جائیں اور اسے پریشان کریں۔ ہاں اگر مسجد میں کوئی جوتا فالتو پڑا ہے یا آپ کو گمان غالب ہے کہ آپ کا جوتا چوری نہیں بلکہ تبدیل ہوگیا ہے اور کوئی شخص آپ کا جوتا لے گیا، آپ کے جوتے سے ملتا جلتا جوتا چھوڑ گیا تو اس کو پہن کر گھر آنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

س: کیا والدین کی رضامندی کے بغیر لڑکی شادی کر سکتی ہے؟

ج: اسلامی شریعت کے مطابق لڑکا تو اپنے والدین کی رضامندی کے بغیر شادی کر سکتا ہے، اگرچہ اس کے لیے بھی بہتر یہی ہے کہ والدین کو راضی کر کے شادی کرے، لیکن جمہور علماء کے نزدیک لڑکی اپنے ولی یعنی باپ کی مرضی کے بغیر شادی نہیں کر سکتی۔ آپؐ کی حدیث ہے، جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

"أیما امراء ۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل فنکاحھا باطل فنکاحھا باطل۔" (رواہ الترمذی)

''جس عورت نے اپنے ولی (یعنی باپ) کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے۔''

اگر باپ موجود نہ ہو تو دادا ولی ہوتا ہے اور دادا نہ ہو تو چچا، اور چچا بھی نہ ہو تو بڑا بھائی اور اگر کوئی بھی نہ ہو تو پھر اس عورت کا ولی حاکم ہوگا اور موجودہ سسٹم میں کوئی عورت ولی نہ ہونے کی صورت میں کسی کورٹ کے جج کو ولی بنا سکتی ہے۔ لیکن بغیر ولی کے نکاح نہیں کر سکتی۔

ہاں اگر عورت یہ محسوس کرتی ہے کہ اس کا والد اس کا نکاح نہیں کرے گا یا اس کے نکاح میں بغیر کسی وجہ کے تاخیر کر رہا ہے یا اس کا نکاح کسی ایسے شخص سے کرنا چاہتا ہے جو کہ واضح طور پر اللہ کا نافرمان ہے، مثلاً شرابی، زانی وغیرہ ہے یا اس کو کسی بوڑھے شخص کے نکاح میں زبردستی دے کر اس کی رقم وصول کرنا چاہتا ہے یا اس کو مختلف خاندانوں میں باہمی قتل و غارت کی بھینٹ چڑھاتے ہوئے دشمن خاندان کے کسی فرد کے نکاح میں دینا چاہتا ہے وغیرہ، تو اس قسم کے تمام حالات میں کہ جن میں یہ بات بالکل واضح ہو کہ عورت کا ولی اس کے ساتھ ظلم کر رہا ہے، عورت باپ کے علاوہ خاندان کے کسی اور فرد کو جس پر اسے اعتماد ہو ولی بنا سکتی ہے اور اس کے ذریعے اپنی شادی کر سکتی ہے۔

✿✿✿✿✿

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

قارئین! کالم "تفہیم المسائل" کے لیے آپ اپنے سوالات بذریعہ ڈاک یا ای میل ایڈریس media@tanzeem.org پر بھیج سکتے ہیں۔

تنظیم اسلامی میانوالی کا ایک روزہ دعوتی پروگرام

مرکزی ناظم دعوت تنظیم اسلامی جناب رحمت اللہ بٹر نے حافظ کاشف بلال اور ناظم دعوت حلقہ پنجاب غربی محمد اصغر صدیقی کے ہمراہ یکم مئی 2007ء کو بسلسلہ فہم دین پروگرام میانوالی کا ایک روزہ دعوتی دورہ کیا۔ میانوالی کے رفقاء نے احباب کو پہلے ہی مسجد بیت المکرّم میں پروگرام کی دعوت دے رکھی تھی۔

چودھری رحمت اللہ بٹر نے دین اور مذہب کے فرق پر تفصیلی لیکچر دیا اور بورڈ کی مدد سے ادیان باطلہ کے ناقص ہونے کی وضاحت کی۔ اس کے بعد حافظ کاشف بلال نے فریضہٗ اقامت دین کی اہمیت اور اس مقصد کے لئے جماعت کی ضرورت پر بڑے دلنشین انداز میں گفتگو کی، اور آخر میں سامعین کے سوالوں کے تسلی بخش جوابات دیئے۔ نماز ظہر اور کھانے کے وقفے کے بعد ناظم دعوت کی رفقاء کے ساتھ خصوصی نشست ہوئی۔ جس میں انہوں نے خصوصی دعوت کا ہدف، اس کے لیے ضروری لٹریچر کی فراہمی اور اس کے طریقہ کار کی وضاحت کی۔

(رپورٹ: ماسٹر محمد افضل خان)

تنظیم اسلامی کے زیراہتمام طاغوتی نظام کے خلاف مظاہرہ

تنظیم اسلامی میانوالی کے زیراہتمام طاغوتی نظام کے خلاف مظاہرہ کیا گیا۔ جس میں رفقاء نے ٹی بورڈز اور بینرز اُٹھا رکھے تھے۔ جن پر غیر اسلامی نظام کے خلاف اور اسلامی نظام کے حق میں عبارات درج تھیں۔ شرکائے مظاہرہ صبح ساڑھے سات بجے مسجد بیت المکرّم میں جمع ہوئے، پھر اسٹیشن چوک کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں سے کچہری بازار، بلوخیل روڈ، جامعہ اکبریہ، میلہ مویشیاں اور پھر مین بازار سے ہوتے ہوئے سٹیشن چوک پر واپس آ گئے۔ جس کے ساتھ ہی یہ مظاہرہ اختتام پذیر ہو گیا۔ اس مظاہرہ کی اہم بات یہ تھی کہ چونکہ اتوار کے دن میانوالی میں میلہ مویشیاں کا انعقاد ہوتا ہے، جس میں میانوالی شہر اور مضافات کے لوگ بڑی تعداد میں جمع ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب شرکائے مظاہرہ ٹی بورڈ اور بینرز اُٹھائے میلہ مویشیاں سے گزر رہے تھے، تو لوگوں نے مظاہرہ میں خصوصی دلچسپی لی۔ انہوں نے بڑے تجسس کے ساتھ اس مظاہرہ کا مشاہدہ کیا اور سوالات کیے۔ یہاں بڑی تعداد میں ہینڈ بلز بھی تقسیم کیے گئے۔

(مرتب: ماسٹر محمد افضل خان)

حلقہ وسطی پنجاب کے زیراہتمام دعوتی اجتماع

حلقہ وسطی پنجاب کے اسرہ الہدیٰ لائبریری کے نقیب جناب چودھری صادق علی اور اسرہ کھرل عظیم کے نقیب جاوید اقبال اور رفیق حاجی راشد علی نے اپنے آبائی گاؤں میں ایک دعوتی اجتماع کا انتظام کیا۔ مرکزی ناظم دعوت جناب چودھری رحمت اللہ بٹر سے اس اجتماع کے لئے خصوصی وقت لیا گیا۔

25 مئی بروز جمعۃ المبارک راقم، امیر حلقہ انجینئر مختار حسین فاروقی اور چودھری رحمت اللہ بٹر تقریباً ساڑھے چھ بجے کھرل عظیم کے ساتھ موضع احمد یار پہنچے (جولیہ سے تقریباً 35 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے)۔ اجتماع کا انتظام ایک وسیع ڈیرہ پر کیا گیا تھا۔ نماز مغرب اجتماع گاہ میں ادا کی گئی۔ جس کے بعد تلاوت قرآن پاک سے اجتماع کا آغاز ہوا۔ چودھری صادق علی نے افتتاحی کلمات کہے۔ انہوں نے لوگوں سے کہا کہ آپ دو باتوں کا خاص خیال کریں۔ (1) قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھیں اور (2) دین کے احکامات پر عمل کریں۔ بعدازاں امیر حلقہ نے درس حدیث دیا، جس میں آپ نے واضح کیا کہ ہر آدمی نے روز محشر پانچ سوالات کے جواب لازمی دینے ہیں: (i) زندگی کیسے گزاری؟ (ii) جوانی کہاں کھپائی؟ (iii) مال کہاں سے کمایا؟ (iv) مال کس راہ پر لگایا؟ (v) علم پر کتنا عمل کیا؟ انہوں نے کہا کہ ہر مسلمان کو اپنی زندگی اس طور سے بسر کرنی چاہیے کہ کل روز محشر ان سوالات کا جواب دے سکے۔

درس حدیث کے بعد ایم پی اے لیہ جناب چوہدری اصغر علی گجر نے جن کا تعلق جماعت اسلامی سے ہے، مختصر خطاب کیا۔ انہوں نے دعوت دین اور اسلامی حکومت بنانے پر زور دیا۔ ان کے خطاب کے بعد مہمان خصوصی جناب چودھری رحمت اللہ بٹر کو خطاب کی دعوت دی گئی۔ انہوں نے ''اللہ تعالیٰ کا بندۂ مومن سے مطالبہ'' کے موضوع پر بھرپور خطاب فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ اسلام صرف روزہ نماز پر مشتمل نہیں ہے بلکہ مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اللہ کا پہلا مطالبہ جو پوری انسانیت سے ہے وہ عبادت رب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قرآن پاک میں واضح فرمان ہے کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔ انسان کا معاملہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اس کو آزماتا ہے اور اس دنیا کی آسائشوں سے نوازتا ہے، تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت بخشی ہے اور جب وہ آزمائش کے لئے اس پر رزق میں تنگی کرتا ہے تو پکار اٹھتا ہے میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔

اس اجتماع میں تقریباً 800 احباب اور 100 خواتین نے شرکت کی۔ یہ پروگرام مسنون دعا پر اختتام پذیر ہوا۔ بعد میں شرکاء کو کھانا کھلایا گیا۔

(رپورٹ: رانا صبغت اللہ)

تنظیم اسلامی ہارون آباد کا ماہانہ اجتماع

3 جون بروز اتوار تنظیم اسلامی ہارون آباد کا ماہانہ اجتماع قرآن اکیڈمی مسجد جامع القرآن میں منعقد ہوا۔ پروگرام کا آغاز صبح نو بجے ہوا۔ حافظ لیاقت نے تلاوت کلام پاک کی سعادت حاصل کی۔

جناب سجاد سرور نے پروگرام کی افادیت اور اہمیت واضح کرتے ہوئے کہا کہ اس طرح کے پروگراموں سے ہمارے ایمان کو جلا نصیب ہوتی ہے۔ سورۃ الشوریٰ کی آیت 13 تا 15 اور 47، 48 کی روشنی میں گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے ''اقامت دین کی فرضیت اور اُس کے لیے زور دار دعوت'' کو حاضرین مجلس کے سامنے رکھا۔ اُن کا درس تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہا۔

درس قرآن کے بعد جناب تنویر حسین نے احادیث مبارکہ کی روشنی میں مسلمان کے مسلمان پر حقوق کی وضاحت کی۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں گالی، غیبت، چغلی، حسد، بغض جیسی گھناؤنی بیماریوں سے اپنے آپ کو بچانے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اِس کے بعد 15 منٹ کا وقفہ ہوا۔ وقفہ کے بعد راقم نے ''رفقائے تنظیم کے مطلوبہ اوصاف'' پر گفتگو کی۔ جناب نثار احمد شفیق نے دعوت کے ضمن میں چند اہم باتوں کی وضاحت کی۔ انہوں نے عہد صحابہؓ سے مثالوں کے ذریعے بات کو احسن طریقے سے رفقاء کو سمجھایا۔ جناب فاروق افضل نے عبادت رب کو حاضرین مجلس کے سامنے رکھا۔

سجاد سرور کی دعا پر اس پروگرام کا اختتام ہوا۔ تقریباً 65 رفقاء نے پروگرام میں شرکت کی۔ اللہ ہماری اس سعی و جہد کو قبول فرمائے۔ آمین

(مرتب: محمد رضوان عزمی)

عراق کی تباہی کا ذمہ دار کون؟

کچھ عرصہ پہلے تمام عرب اخبارات نے صدر بش کا بیان شہ سرخیوں کے ساتھ شائع کیا ''امریکی فوجیوں کی ہلاکت پر عراقیوں کو جواب دہ ہونا پڑے گا۔'' یہ بیان اس امر کا ثبوت ہے کہ صدر بش اپنے حواس میں نہیں رہے اور اب الٹے سیدھے بیان دے کر اپنی ہوا باندھے رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کوئی صدر بش سے یہ پوچھے کہ جناب! آپ کو کس نے کہا تھا کہ اپنی فوج عراق بھجواؤ؟ امریکی فوج آپ نے خود بھجوائی اور اس جھوٹ کی بنیاد پر کہ عراق میں تباہی پھیلانے والے وسیع ہتھیار موجود ہیں۔ اور کیا امریکہ میں یہ ہتھیار نہیں ہیں؟ آپ اور آپ کے حواریوں نے عراق کا جو حال کیا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ عراقی کس بات پر جوابدہ ہوں؟ اس بات پر کہ انہیں ابوغریب جیل میں ذلیل وخوار کیا گیا؟ یا اس امر پر کہ امریکیوں نے بچوں، عورتوں اور بوڑھوں سمیت ہزاروں بے گناہ عراقی شہید کر دیے ہیں؟

عراق میں آج ہر روز کم از کم ایک سو افراد امریکا کی نازل کردہ آفت کا نشانہ بن کر اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ چونکہ ہر آدمی چار پانچ افراد کا کفیل ہوتا ہے، لہٰذا صدر بش روزانہ عراق میں 500 افراد کی زندگیاں تباہ کر رہے ہیں۔ اس کے باوجود وہ چاہتے ہیں کہ عراقی ان کے سامنے جوابدہ ہوں۔ کوئی اور ہوتا، تو یہ بات کہنے سے قبل چلو بھر پانی میں ڈوب مرتا۔

ماہرین کے مطابق امریکی فوج دنیا کی طاقت ور ترین فوج ہے۔ اس کے باوجود وہ عراق میں بے سروسامان ''مزاحمت کاروں'' کا مقابلہ نہیں کر پا رہی۔ کیونکہ وہ اپنے حق کے لیے لڑ رہے ہیں۔ بالفرض اگر پوری دنیا کے اسلامی ممالک امریکا کے خلاف اتحاد کر لیں، تو پھر امریکیوں کا کیا حشر ہوگا۔ صدر بش! ہوش کے ناخن لو اور عراق سے اپنی فوج نکال لو، ورنہ تاریخ میں تمہارا ذکر ہٹلر سے بھی بدترین انداز میں کیا جائے گا۔

بنگلہ دیشی سیاست دان مشکل میں

آج کل بنگلہ دیش میں سیاست دان خصوصاً وزارت عظمیٰ کے منصب پر فائز رہنے والی دو خواتین بیگم خالدہ ضیاء اور حسینہ واجد عبوری حکومت کے زیر عتاب ہیں۔ دراصل عبوری صدر فخر الدین احمد اور ان کے سرپرست، فوجی جرنیلوں کو یقین ہے کہ چوٹی کے سیاست دان ہی ملک میں تمام بے ایمانی کے ذمہ دار ہیں، اس لیے انہوں نے ان کے خلاف زبردست محاذ کھول رکھا ہے۔ عبوری حکومت اور فوج چاہتی ہے کہ بنگلہ دیشی سیاست کم از کم دونوں خواتین سے پاک ہو جائے۔

بنگلہ دیشی عوام صرف سیاست دانوں کو مجرم نہیں سمجھتے...... ان کا کہنا ہے کہ نوکر شاہی، بڑے صنعت کاروں اور تاجروں کی منظوری سے ہی سیاست دان کرپشن کرتے ہیں۔ لہٰذا جب تک تالاب کی بڑی مچھلیوں کو نہیں پکڑا جاتا، دونوں خواتین کو منظر عام سے ہٹانے سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوگا۔

اولمرٹ امن مذاکرات کے لیے تیار

اسرائیل کے ایک اخبار نے خبر دی ہے کہ امریکا سے آشیر باد لے کر اسرائیلی صدر نے شام کے صدر بشار الاسد کو مطلع کیا ہے کہ وہ گولان کی پہاڑیاں واپس کرنے کے سلسلے میں امن مذاکرات کرنے کو تیار ہیں۔ خبر میں یہ نہیں بتایا گیا کہ مذاکرات کب ہوں گے۔

یاد رہے کہ 1967ء کی جنگ میں اسرائیل نے اس شامی علاقے پر قبضہ کر لیا تھا جو اپنے محل وقوع کی بنا پر انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔ فی الوقت یہاں 5 ہزار اسرائیلی آباد کار اور 18 ہزار شامی رہائش پذیر ہیں۔

گوانتانامو بے کا مسئلہ

پچھلے دو تین ماہ میں امریکی سپریم کورٹ نے دو ایسے خلاف توقع فیصلے دیے ہیں جو گوانتانامو بے قید خانہ بند کرانے والی تنظیموں کے حق میں گئے ہیں۔ انہی فیصلوں کی بنیاد پر امریکا میں حقوق انسانی کی تنظیمیں امریکی حکومت پر دباؤ ڈال رہی ہیں کہ یہ بدنام زمانہ قید خانہ بند کر دیا جائے۔ یاد رہے کہ انسانی حقوق کے چیمپئن امریکی اس جیل خانے میں مقدمہ چلائے بغیر قیدی رکھتے ہیں۔ ان میں عموماً مسلمان ہوتے ہیں۔ فی الوقت اس بوچڑ خانے میں 380 قیدی موجود ہیں۔

مصری حکومت کی پسپائی

مصر میں حزب اختلاف کے ایک نمایاں سیاست دان حسین عبدالرزاق نے دعویٰ کیا ہے کہ اسرائیل اور امریکا کے دباؤ پر صدر حسنی مبارک نے اس پل کی تعمیر کا کام رکوا دیا ہے جس کے ذریعے مصر اور سعودی عرب کو ملایا جانا تھا۔ دونوں ممالک کا خیال ہے کہ پل کی تعمیر سے اسرائیل کے خلاف برسرپیکار لوگ مصر میں داخل ہو کر اسرائیل کے خلاف کارروائیاں کریں گے۔

یہ پل بحیرہ احمر پر تعمیر ہونا تھا، اس کی لمبائی 230 کلومیٹر ہوتی۔ اسے بنانے کا منشا یہ تھا کہ سعودی عرب میں جو ہزاروں مصری کام کر رہے ہیں، انہیں اپنے وطن آنے کی سہولت ہو جائے۔ لیکن صدر حسنی مبارک اسرائیل اور امریکا کے دباؤ کے سامنے جھک گئے اور یہ اہم منصوبہ ختم کر دیا۔

لبنان و فلسطین کی صورت حال

لبنان میں فلسطینیوں کی تنظیم، فتح الاسلام اور لبنانی فوج کے مابین تصادم جاری ہے۔ تاہم خوش قسمتی سے اس میں اتنی شدت نہیں رہی۔ فلسطینیوں کو چاہیے کہ وہ لبنان میں امن و امان سے رہیں ورنہ انہیں وہاں سے نکالا جا سکتا ہے۔ اگر وہ اسی طرح ہنگامے کرتے رہے، تو مقامی لبنانی ان کے خلاف ہو سکتے ہیں۔

اُدھر فلسطین میں اسرائیلی فوج نے قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ حقوق انسانی کی چیمپئن کھلی آنکھوں سے اسرائیلیوں کے مظالم دیکھ رہے ہیں۔ لیکن ان کی پیشانی پر ایک بل نہیں پڑتا۔ اگر آج اسرائیلی فلسطین کے عیسائیوں پر حملہ آور ہو جائیں، تو پورے مغرب میں شور مچ جائے گا۔ اسرائیلی حکومت فلسطینی علاقوں میں مسلسل یہودی آباد کار بسا رہی ہے۔ اس اقدام پر دنیا بھر کے مسلمانوں کو چوکنا ہو جانا چاہیے، مگر انہیں تو غیر ملکی کاروں کی چمک، برگروں کے ذائقے اور دولت کے خمار نے اندھا، گونگا اور بہرا بنا رکھا ہے۔ دیکھیے، وہ کب ہوش میں آتے ہیں۔ مگر اس وقت تک بہت دیر ہو گئی تو؟

امریکہ میں ایران کے مسئلہ پر مباحثہ

اس سال کے آخر میں امریکا میں صدارتی انتخابات ہونے والے ہیں۔ پچھلے دنوں ریپبلکن اور ڈیموکریٹک امیدواروں کے مابین ایک ٹی وی مباحثہ ہوا، تاکہ امریکی عوام ان کے خیالات و جذبات سے آگاہ ہو سکے۔ مباحثہ میں ریپبلکن امیدواروں نے کہا کہ ایران پر ایٹمی حملہ ہونا چاہیے، تاکہ وہ ایٹم بم بنانے سے باز رہے۔ دوسری طرف ڈیموکریٹک امیدواروں کا کہنا تھا کہ ایٹمی منصوبہ ختم کرانے کے سلسلے میں ایرانی حکومت سے گفت و شنید کی جائے۔

گو ریپبلکن اور ڈیموکریٹک سیاست دان ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے ہیں لیکن اوّل الذکر یہودیوں اور آخر الذکر امریکی عوام کے زیر اثر ہیں۔ اسی لیے ان کے ''طریقہ واردات'' میں فرق نظر آتا ہے۔ قرائن بتا رہے ہیں کہ اس بار کوئی ڈیموکریٹک امیدوار ہی امریکا کا نیا صدر بنے گا۔

that the "guardians of civilization" have no fear in venturing outside its perimeters for the sake of consolidating de-facto colonization and establishing total control of the Muslim world in particular.

We now know that many of the so-called interrogation techniques used in Guantanamo and many detention centres used across Pakistan and Afghanistan were developed during the Cold War. Their inapplicability to combating the so-called terrorism would thus be multi-fold. Intelligence during the Cold War involved the lumbering giants of the Soviet Union and the United States. Valuable information thus related to government policies, military strategies and operations run by employed officials. The fact that neither side could turn its operations on a dime, that all those involved might be hesitant to die for their cause, meant that in theory "actionable intelligence" would be ripe for the picking. The only question would be how this information could most effectively be extracted.

On the other hand, when it comes to the men currently held captive in Guantanamo and ISI gulag, it is doubtful that even Dick Cheney seriously entertains the notion that among these "enemy combatants" there is a single individual with a single piece of valuable information that would amount to a priceless piece of intelligence, and which justifies illegal detentions and tortures.

On the contrary, these are men (and boys) who now abide in some other land, where every form of certainty has been stripped away. Worse than being deprived of life, they have been denied their humanity. But even while their detention has profoundly damaged America's reputation and has put survival of its puppets at stake, the present administration in Washington has succeeded in constructing a regime of imprisonment that by most standards constitutes a condition worse than death.

Very early on in the war of terrorism a piece of military jargon entered the popular lexicon because, highfalutin as it might sound, everyone had a sense of what it meant: asymmetric warfare. David and Goliath, stripped of moral underpinnings and the political insight that concentrated power rarely if ever serves collective interests, is all about the functional advantage that a weak power can have in relation to overbearing might: flexibility.

We've witnessed it again and again over the last six years. The giant is slow to turn and so his small opponent is always quick to find a new angle of attack.

Capture a person resisting illegal war and occupation; call him a terrorist and what is the vital intelligence he might be forced to cough up? Most often, nothing. His comrades in the struggle for self-determination already know he's out of commission and no "terrorist" plan, however advanced, is burdened by anything comparable to the inflexibility of the affairs of terrorist states. A decision to switch to resistance plan B (or C, D, or E) can be made in a matter of moments.

So what do you do with your "high value" captives? Treat them in such a way that those who might follow in their footsteps will pause in terror.

The goal of the war of terrorism was to terrorize "terrorists" – the occupied nations – and force them into submission? Would you agree Mr. Cheney and Mr. Mush?

May be their lips will remain well-sealed until the unlikely day both of them face indictment along with their colleagues for their crimes against humanity. Until then, most of us seem to have submitted to the argument that the debate of disappearance and torture should be limited to questioning the technique alone, whereas the question of illegal detentions and torture is not a question of technique alone.

قارئین ندائے خلافت توجہ فرمائیں

اگر کسی صاحب کے پاس 1996ء کے Quranic Horizons موجود ہوں اور وہ صاحب قرآن اکیڈمی لاہور کے شعبہ انگریزی کو Donate کر سکیں تو ہم ان کے ممنون ہوں گے۔

سید محمد افتخار احمد، شعبہ انگریزی

صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن و بانی تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کے پانچ خطبات جو سالانہ محاضرات ۱۹۹۱ء میں دیئے گئے

حقیقت ایمان

تسوید و ترتیب: مولانا ابوعبدالرحمٰن شبیر بن نور

اہم موضوعات: ○ ایمان کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم ○ ایمان کا موضوع ○ قانونی اور حقیقی ایمان کا فرق اور ان کے ضمن میں کلامی مباحث ○ ایمان و عمل کا باہمی تعلق ○ ایمان اور نفاق ○ ایمان حقیقی کے سرچشمے

اشاعت خاص: 120 روپے اشاعت عام: 60 روپے

Vol: 16 Regd. No. LRL -50 No. 23

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

ABID ULLAH JAN

The missing link in the debate on disappearances and torture

Tyranny usually arises in an interplay between brutality and power. The tyrannical tendencies in the Bush and Mush regimes, on the other hand, stem from cowardice invested in secrecy.

Since neither General Musharraf, nor his master George Bush have the courage of true leaders, they have always been ineffectual advocates, unwilling to honestly face critics and unwilling to be held accountable for the implementation of their own policies and crimes against humanity.

In this context, public debate about the illegal detentions and the use of torture has always been hamstrung by the fact that those who carry the ultimate responsibility for the use of these practices persistently deny that illegal detentions and the so-called "enhanced interrogation" techniques they endorse, do in fact constitute abuse of human rights and widely recognized forms of torture.

Unfortunately, in the Pakistani press, we do not even see a debate about the disappearance of individuals. All we have are either news reports or a sentence or two reference in a few far and far between articles. Unlike Bush who detains foreigners away from the US mainland, General Musharraf is detaining his own people in hundreds on his own land. CIA and other US forces are torturing and killing foreigners. ISI and Pakistan armed forces are detaining, torturing and killing their own people. They are invading and carrying out occupation forces like operation in their land.

This is because Musharraf stands shoulder to shoulder with Bush in the "noble" war of terrorism. ISI and the ministry of Interior is fully involved in the disappearance of individuals, tortures and deaths. Even the Supreme Court could not move the ministry to get basic information about the disappeared persons. Saud Memon, a merchant from Karachi, for example died on May 18, 2007 after his long disappearance in the hands of Pakistani and US agencies. Let us agree that he was a terrorist. However, where did we see due process of law taking place during his long absence in the hands of ISI and CIA? Was this the right way to kill him as a result of excessive torture? Remember, this is just one example.

The debate has been mired in discussion about whether or not the techniques the Pak-US regimes sanction actually fit the definition of torture even though there is already a mountain of evidence that they do. For this reason, a more basic question -- what is the purpose of the US and Pakistani agencies' use of torture? -- is not clearly addressed. Indeed, the US administration's insistence on the use of the word "interrogation" has generally left unquestioned the assumption that the purpose of these practices is the coercive discovery of information.

Alfred W. McCoy, in A Question of Torture, says that "the powerful often turn to torture in times of crisis, not because it works but because it salves their fears and insecurities with the psychic balm of empowerment." This form of empowerment in which a sense of control is restored to those who have experienced a profound loss of control, no doubt played a part in the psychological processes that shaped the war of terrorism. Even so, we see George Bush, Dick Cheney, Donald Rumsfeld and their General in Islamabad as eminently practical men. It is doubtful that they chose to institute a regimen of torture simply to reinvigorate their bruised sense of potency, but guided as they are by their own innate confidence in gut "rationales," we also doubt that they involved themselves in complex analysis fraught as this always is with the risk of being inconclusive.

It is very obvious (and FBI admits) that the CIA, FBI and the Bush regime has no evidence of Osama's involvement in 9/11 incidents. There is no concrete evidence that an "enemy" from outside managed to turn three skyscrapers to dust with two passenger planes. The central function of the pre-planned war of terrorism was only to restore America's image as an indomitable power and to crush those who might cherish an ambition to challenge that power.

Given that those who stand to the US, Israel and their allies have already demonstrated that they have little fear of death, it would seem apparent that the only way they could be intimidated would be by the threat of a fate worse than death. It thus seems possible that the ISI detention centres and Guantanamo Bay (and its "dark side" to which Vice President Cheney alluded), were intended to function not so much as a means for extracting intelligence vital to the United States' national security, as much as a means to terrorize existing and would-be individuals who struggle for their right to self-determination and dare to call a spade a spade with regard to the United States abuse of power, support of the puppet regimes and pure injustice. It would be the epitome of fighting fire with fire. It would send out the message